بیاد پروفیسر سید منظر حسن دسنوی مرحوم
اور سید شکیل دسنوی مرحوم
شعر و ادب کی صالح قدروں اور عصری رجحانات کا ترجمان

**اشاعت کا سولہواں سال ۷۲ رواں شمارہ**

سہ ماہی **ادبی محاذ** کٹک





خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
سعید رحمانی۔ دیوان بازار۔ پوسٹ۔ بخشی بازار، کٹک۔753001 (اڈیشا)
09437067585 (ضروری جانکاری کے لیے)
E-mail: adbimahaz@gmail.com
E-mail: Sayeedrahmani@gmail..com
Website: http//www.sayeedrahmani.blogspot.com



**قیمت فی شمارہ**: ۲۵/روپے زرِ سالانہ: ۱۰۰/روپے

رجسٹری ڈاک سے زرِ سالانہ۔ ۲۰۰/روپے

خصوصی زرِ سالانہ: ۲۰۰/روپے بیرونِ ممالک: ۲۵/امریکی ڈالر

(چیک یا ڈرافٹ پر نام کی جگہ صرف Mohammed Sayeed لکھیں۔ پتہ نہ لکھیں۔ چیک کے ذریعہ زرِ سالانہ ۱۲۵/روپے ارسال کریں۔ بیرونِ ملک کے لئے ۳۰/امریکی ڈالر)
IndianOverseasBank-A/CNo.172201000001688
Name Of Account Holder:Mohammed Sayeed

**پبلیشر و پرنٹر شیخ قریش نے چتّا پریس قاضی بازار سے چھپوا کر دفتر ادبی محاذ دیوان بازار کٹک۔753001 سے شایع کیا۔**


## یادوں کے جھروکے سے
## سید شکیل دسنوی مرحوم

دار پر منصور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں
جب یہی دستور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

حسن پر قیدِ روایت، عشق بھی زنجیر پا
ہر کوئی مجبور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

ہر طرف مایوسیاں، محرومیاں، ناکامیاں
غم سے ہر دل چور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

ہے بصارت سرنگوں اپنے مقدر پر ابھی
شب گزیدہ نور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

پا شکستہ ہیں ارادے آرزوئیں جاں بلب
اور منزل دور ہے تم کیا کرو ہم کیا کریں

**بشکریہ**
طلعت فاطمہ (کٹک)

## ہمارے خصوصی معاونین

اپنی پنشن کی رقم سے ''اخبارِ اڑیسہ'' کا لگایا ہوا پوداب اللہ کے فضل وکرم سے برگ و بار لا کر سہ ماہی ''ادبی محاذ'' کی صورت میں ارتقائی سفر طے کرنے لگا ہے۔میری تنہا ذاتی کوششوں سے شروع کیا ہوا یہ سفراب 'لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا' کے مصداق ایک ادارے کی شکل اختیار کر گیا ہے جس میں مقامی احباب کے دامے درمے سخنے تعاون کے ساتھ ہی کل ہنداور عالمی سطح پر بھی محبان اردو نے اپنی طرف سے ایک ہزار سے پانچ ہزار تک کے عطیات دیے ہیں اور یہ سلسلہ تا حال جاری ہے۔ان میں سے بعض نے وقفے وقفے سے رقم بھیجتے رہنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔تمام محبان اردو سے گزارش ہے کہ ''ادبی محاذ'' کی خریداری قبول فرمائیں اور اس کی بقا کا ضامن بنیں۔

### خصوصی معاونین کے اسمائے گرامی

| نام | مقام |
|---|---|
| الحاج محمد ایوب خاں | بھوبنیشور |
| الحاج سیّد عطا محی الدین | بھدرک |
| الحاج سیّد ڈاکٹر مشتاق علی | کٹک |
| الحاج مولوی سیّد نذیرالدین صدیقی (ایڈوکیٹ) | کٹک |
| جناب محمد شاہنواز | بھوبنیشور |
| جناب عبدالمجید فیضی | سمبل پور |
| جناب ایم اے احد | بھوبنیشور |
| جناب محمد اسلم غازی | ممبئ |
| ڈاکٹر محمد قمرالدین خاں | کٹک |
| جناب ایس این شیخ | ممبئ |
| مولوی محمد مطیع اللہ نازش | کٹک |
| جناب شیخ منور احمد حبیبی | دھام نگر (اڑیسہ) |
| جناب محبّ الرحمٰن وفا | یوڈا،مہاراشٹر |
| جناب وکیل نجیب | ناگپور |
| جناب سیّد محمود رضی الدین | راجستھان |
| جناب اقبال سلیم۔ | بنگلور |
| جناب ایم حمیدالدین ناز | بیدر |
| پالوجی ڈاکٹر جاوید حسین | ممبئ |

| نام | مقام |
|---|---|
| مس انجم ممتاز سلطانہ | بیدر |
| جناب رفیق شاہین | علی گڑھ |
| جناب سمیع الحق شاکر | کٹک |
| ڈاکٹر سید مجیب الرحمٰن بزمؔی | رانچی |
| ڈاکٹر جمال الدین احمد | بھوبنیشور |
| ڈاکٹر کرشن بھاوک | پٹیالہ |
| سید فرید منظر حسن | کٹک |
| ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی | نیپال |
| ڈاکٹر قمرالزماں | دھنباد |
| مولانا پھول محمد نعمت رضوی | مظفرپور (بہار) |
| جناب ارشد قمر | ڈالٹن گنج |
| ڈاکٹر ملکہ خورشید | لکھنؤ |
| حاجی اختر حسین | بیل پہاڑ۔جھاڑسوگڈا |
| جناب جمال قدوسی | سدھارتھ نگر (یوپی) |
| جناب شمس الحق شمس (ایڈوکیٹ) | دیوپور (کٹک) |
| ابوالکمال ظفر احمد (ایڈوکیٹ) | بالیسر |
| جناب ارشد جمیل | کٹک |
| جناب شیخ بشیر احمد | کشمیر |

| نام | مقام |
|---|---|
| جناب نظام مجھولیاوی | مظفرپور (بہار) |
| جناب رمیش پرساد کنول | پٹنہ |
| جناب اسحاق عابد | چنئی |
| ڈاکٹر مختار شمیم | بھوپال |
| ابرار نغمی | رائسین (ایم پی) |
| بانو مہر سلطانہ بنت حمیدالدین | بیدر (کرناٹک) |
| جناب جاوید ندیم | ممبئ |
| جناب فیروز احمد سیفی | نیویارک (امریکہ) |
| پروفیسر سید محمد استخارالدین | بجنور (یوپی) |
| الحاج سید عطا محی الدین | بھوبنیشور |
| جناب سید اولادِ رسول قدسی | امریکہ |
| جناب سید خادمَ رسول عینی | بھساول |
| سبطین پروانہ | کٹیہار (بہار) |
| محسن عظیم انصاری | لکھنؤ (یوپی) |

### قلمکاروں سے گزارش

اپنی تخلیقات ان پیج میں ٹائپ کر کے ای۔میل سے ارسال کریں تو ترجیحی بنیاد پر شائع ہوں گی۔اگر اس کی سہولت نہیں تو پھر ڈاک سے بھیجیں (ادارہ)

### ادبی محاذ کے گوشے

ادبی محاذ میں شاعروں اور ادیبوں کے متعدد گوشے اب تک شایع ہو کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکے ہیں۔شیہ گاؤں کے عزیز احمد عزیز کا گوشہ منظرِ عام پر شامل۔افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی ان کا گوشہ زیرِ ترتیب تھا کہ یہ اطلاع ملی کے موصوف ایک مختصر سی علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔اللہ ان کی مغفرت فرمایے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین

آپ کے گوشے کے لیے بھی ادبی محاذ کے صفحات حاضر ہیں۔تفصیل کے لیے اس فون نمبر پر رابطہ کریں۔نمبر ہے:09437067585

# اس شمارے میں



## محاذِ اول:



## محاذثانی:



## حمد ونعت



## منظومات



## گوشۂ عزیز خاں عزیز



## غزلیات



## مضامین



## غزلیات



## افسانے

علامہ حضرت سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)
سرپرست ادبی محاذ

## نعتِ پاک

ہیں وہ نورِ خدا کیوں نہیں مانتے　　ہے یہ رب کا کہا، کیوں نہیں مانتے
نہ وہ رب سے جدا، رب نہ ان سے جدا　　ہے وہ حق با خدا، کیوں نہیں مانتے
اعلیٰ تر مرتبہ ان کا بعد از خدا　　کہہ گئے انبیا کیوں نہیں مانتے
خاتم الانبیا خلق کی ابتدا　　وصف میں انتہا، کیوں نہیں مانتے
ان کی ہر اک ادا بحرِ خلق و وفا　　ان پہ عالم فدا، کیوں نہیں مانتے
بخت ہے پُر ضیا، لب پہ ان کی ثنا　　خلد مسکن مرا، کیوں نہیں مانتے
سرورِ دوسرا ماہِ عرشِ علیٰ　　ان سے ارض و سما، کیوں نہیں مانتے
ان کی نوری ردا کل بروزِ جزا　　سب کی ہے آسرا، کیوں نہیں مانتے
ان سے صادر ہوا بے بدل معجزہ　　چاند بھی چِر گیا، کیوں نہیں مانتے
قدرتِ کاملہ رب نے کی یوں عطا　　شمس واپس ہوا، کیوں نہیں مانتے
نامِ شاہِ دنا، نسخۂ کیمیا　　دافعِ ہر بلا، کیوں نہیں مانتے
قدسیؔ بے نوا، ناعتِ مصطفےٰ　　مہرِ چرخِ جزا، کیوں نہیں مانتے

## نعتِ پاک

ان کی یادوں کی تنویر اچھی لگی　　دل کی شاداب تصویر اچھی لگی
ان کی گلیوں میں اڑتی ہوئی جا بجا　　سرمئی گردِ دل گیر اچھی لگی
مصطفےٰ جانِ رحمت پہ پڑھ کے درود　　میرے ہونٹوں کی تطہیر اچھی لگی
نعتیہ فکر و فن کے اسالیب میں　　میری سوچوں کی تعمیر اچھی لگی
جن کے ملنے سے لفظِ محبت بنے　　ایسے حرفوں کی تعمیر اچھی لگی
جس جگہ پائے نازِ نبی پڑ گیا　　اس کی پاکیزہ تقدیر اچھی لگی
لوحِ حسنین پر گر کے کہتا ہے سیب　　رب کو دونوں کی تحریر اچھی لگی
دیکھ کر سر کی آنکھوں سے ان کا دیار　　میرے خوابوں کی تعبیر اچھی لگی
آیتوں کی زبانی خود آیات کی　　فرحت انگیز تفسیر اچھی لگی
رب کی بے مثل تخلیق خلدِ بریں　　میرے آوا کی جاگیر اچھی لگی

## غزل

ہر طرف حادثات　　مضطرب ہے حیات
پوچھتا ہے قلم　　کیوں ہے خالی دوات
صفر کو کر کے حذف　　کردو دوستّر کو سات
کہہ کے رودادِ غم　　رو پڑی کائنات
کیسے بھولیں گے ہم　　چودھوئیں شب کی بات
پہنچے گاؤں تلک　　شہر کے واقعات
سن کے حق کی صدا　　خم ہیں لات و منات
سوچ گہنا گئی　　دن بھی لگتا ہے رات
رات کی فوج کو　　دھوپ دیتی ہے مات
پیڑ ہے غم زدہ　　زرد ہے پات پات
بند ہیں علم و فن　　وا ہوئے جامعات

کیوں ہیں قدسیؔ کثیف
آج کے مائعات

## غزل

آئینوں سا پگھل　　پتھروں کو اُگل
خوں کا غازہ اڑا　　سرخی چہرے پہ مل
وقت کی مانگ کو　　دن دہاڑے کچل
روح کے وار سے　　تن کے قیدی کو چھل
باسی منظر نہ چُن　　رسیاں رُت کی بل
خیر کا تاج ہو　　پیر سے سر کو دل
ایسا قطرہ تو بن　　قلزموں کو نگل
ریت کے درمیاں　　ننگے پاؤں ٹہل
خار سا سخت بن　　گل کی آنکھوں میں کھل
فکر کی دیگ میں　　شعر کو خوب تل

توڑ کر کشتیاں
قدسیؔ موجوں پہ چل

جنابِ سید خادمِ رسول عینیؔ (بھساول۔جلگاؤں)

سرپرست ادبی محاذ

مستقل پتہ: خانقاہِ قدوسیہ۔قدوسی نگر۔مرزاپور۔بھدرک (اڈیشا)


## نعتِ پاک

آئی ہے مدینۂ اقدس سے کیا تازہ ہوا سبحان اللہ
قربان ہوئی جاتی ہے خود اس پر ہی صبا سبحان اللہ

جبریلِ امیں ہیں دیکھ کے دنگ، ہر دل نے کہا سبحان اللہ
”ہیں عرشِ بریں پر جلوہ فگن محبوبِ خدا سبحان اللہ

پڑھتا ہوں میں جب نعت آقا کی، جنت سے مہک آجاتی ہے
کیا خوب ملی ہے خالق سے مجھ کو یہ جزا سبحان اللہ

اپنا ہو یا کہ پرایا ہو، وہ سب کو دعائیں دیتے ہیں
ہے لب پہ رسولِ اکرم کے ہر وقت دعا سبحان اللہ

تارے بھی منور ہیں اس سے، سورج بھی اسی سے ہے روشن
سرکارِ دو عالم کے در پر، ایسی ہے ضیا سبحان اللہ

باغات کی کلیاں سب ہیں فدا، بلبل بھی چمن کے ہیں شیدا
کیا خوب ہوئی ہر عالم میں آقا کی ادا سبحان اللہ

دنیا کے مظالم کی عینیؔ کیا دھوپ ستایے گی مجھ کو
سر پر ہے مرے شہہ عالم کی رحمت کی ردا سبحان اللہ

## نعتِ پاک

روضۂ شہہ کی دید پائی ہے
بدلی خوش قسمتی کی چھائی ہے

فخر کرتے نہیں نبی گرچہ
منسلک ان سے ہر بڑائی ہے

لایے تشریف جانِ امن واماں
اب کہاں ظلم کی رہائی ہے؟

اپنے محسن کو بھول جاتے ہیں
کس قدر عام بے حیائی ہے

یا نبی کیجئے کرم کی سحر
رات پھر زندگی میں آئی ہے

ان کی یادوں میں رہتا ہوں مسرور
اک عجب لذتِ جدائی ہے

یہ ہے دربارِ شاہ اور یہاں
بھید بھاؤ کی کب رسائی ہے

نور سے ہوگئی فضا معمور
عینیؔ نے نعت جب سنائی ہے

## غزل

مچا ہر ایک سو کہرام دیکھتے رہیے
تساہلی کا یہ انجام دیکھتے رہیے

جو دیکھا ان کو قمر بول اٹھا خجل ہوکر
وہ آگئے ہیں سرِ بام دیکھتے رہیے

نہا کے یار کی یادِ حسیں کی بارش میں
ہوئی ہے تازہ تریں شام دیکھتے رہیے

کسی کی یاد کی اشیا کو جمع کر کے اب
لطیف لمحوں کے گودام دیکھتے رہیے

دروغ گوئی کو باہر حرم سے کر دیجیے
ہے سچ کا جسم میں احرام دیکھتے رہیے

یہ کیسا ضابطہ ہے، جرم ایک شخص کرے
لگے ہر ایک پہ الزام دیکھتے رہیے

خلوص اور محبت کا گر رہے فقدان
تمام کام ہوں ناکام دیکھتے رہیے

مقامِ عدل میں ہی جسم عدل کا عینیؔ
ہوا ہے قتل سرِ عام دیکھتے رہیے

## غزل

کسی بھی غیر سے اب دل نہیں لگانا ہے
جو اپنے روٹھے ہویے ہیں انھیں منانا ہے

اگر ظفر کے ثمر کی ہے زیست میں خواہش
وفا کا پیڑ ہمیں قلب میں لگانا ہے

اگر ہے خواہشِ تحصیلِ منزلِ مقصود
تھکاوٹوں کا نشاں راہ سے مٹانا ہے

اسی سے ملتی ہے تسکینِ دائمی ہم کو
لباس شرع کا گرچہ بہت پرانا ہے

گمان و وہم کے دریا سے ہم کو کیا مطلب
ہمارا کوزۂ ایقاں بہت سہانا ہے

وطن سے دور ہو اپنوں سے رابطہ رکھو
تمھیں وطن کی طرف لوٹ کر پھر آنا ہے

لباسِ فقر رہے زیب تن سدا عینیؔ
جہاں میں گر تمھیں بامِ عروج پانا ہے

علامہ رفیق وارثؔ مصباحی (جوہانسبرگ جنوبی افریقہ)
سرپرست ادبی محاذ

## نعتِ پاک

ان کی یادوں میں جو شخص بسمل ہوا
بزمِ ہوش و خرد میں وہ داخل ہوا

ان کے در کی غلامی جسے مل گئی
وہ زمانے کا درویش کامل ہوا

ان کے اصحاب ہیں لائقِ اتباع
پیروی ان کی کر کے میں عاقل ہوا

میرے سرکار سنتے ہیں سب کی ندا
یہ سمجھ پانا بہروں کو مشکل ہوا

دیکھتے ہی انھیں قبر میں بول اٹھوں
مجھ کو آقا کا دیدار حاصل ہوا

آیتِ مائدہ سے عیاں ہے یہی
ان کی تبلیغ سے دین کامل ہوا

ان کی آلِ مطہر کا صدقہ ہے یہ
نعت گوئی کے میں آج قابل ہوا

کاش کہہ دیں یہ سرکار ایسا کبھی
میرا وارثؔ غلاموں میں شامل ہوا

## نعتِ پاک

نسبت بحال رکھیے رسالت مآب سے
مل جایے گا قرار ہر اک اضطراب سے

ایماں کی خوشبو پھیلی معطر ہوا جہاں
تبلیغِ مصطفیٰ کے حسیں انقلاب سے

کہتی ہے اوس باغِ مدینہ کی دہر سے
پوچھو مرا مقام مہکتے گلاب سے

روشن نہ کیوں ہو تجھ سے شبِ تارائے قمر
پایا ہے تونے نورِ نبی آفتاب سے

پوچھے تو کوئی حضرتِ بو بکر سے کبھی
کتنا سکوں ملا شہہِ دیں کے لعاب سے

منہ میں زباں رہی نہ فصاحت میں جاں رہی
امی لقب رسول کے اعلیٰ خطاب سے

وردِ درودِ پاک سے دل کو سجا لے آج
دے گا نجات تجھ کو یہ کل کے حساب سے

پیغامِ عشق دے دیا بیدمؔ رضا نے یوں
نعتِ رسول سیکھئے رب کی کتاب سے

پیاسی زمینِ دل کی گزارش ہے یا نبی
سیراب ہو سدا یہ کرم کے سحاب سے

سرکارِ اس گنوار کی ہے ایک التجا
ڈھل جایے جرم آپ کی رحمت کے آب سے

وارثؔ غمِ حضور سے دل اپنا شاد رکھ
ہوگی لقا ضرور رسالت مآب سے

## غزل

جدائی کی آتش میں جلتا رہا ہوں
غموں کا نوالہ نگلتا رہا ہوں

ارادوں کا ساحل بدلتا رہا ہوں
میں حدت سے اکثر ابلتا رہا ہوں

میں گل ہوں مگر خار سے جانے کیوں کر
رقابت کے ڈر سے دہلتا رہا ہوں

مرا کیا بگاڑے گا سنگِ عداوت
وفا کا ثمر ہوں میں پھلتا رہا ہوں

دیا ان کی یادوں کا بن کر میں شب بھر
درِ صبر پر کب سے جلتا رہا ہوں

تعصب کے کیڑوں سے نفرت ہے مجھ کو
میں قدموں سے ان کو مسلتا رہا ہوں

گہر ہوں میں ظلمت میں کیوں کر نہ چمکوں
صدف کی حفاظت میں پلتا رہا ہوں

عطا ہوں مجھے اب سکوں بخش سانسیں
میں برفیلا تن ہوں پگھلتا رہا ہوں

شبِ ظلم سے کہہ گیا عدل وارثؔ
میں راحت کی خاطر مچلتا رہا ہوں

## غزل

کیوں مری قوم ترا عزمِ جواں ٹوٹ گیا
کند الفاظ ہوے زورِ بیاں ٹوٹ گیا

حوصلوں کا تو ہمالہ تھا، عزیمت کی چٹان
کیا ہوا پل میں ترا جوشِ جواں ٹوٹ گیا

وادیاں امن کی خوں بار ہوئی جاتی ہیں
کالے بادل کا سماں ایسا یہاں ٹوٹ گیا

بارشِ ظلم ہے رقصاں تری پسپائی پر
شل ہوے دست ترے زورِ سناں ٹوٹ گیا

تری تسبیح کے دانوں سے یہ آواز آیے
کفر مغلوب ہوا، شر کا نشاں ٹوٹ گیا

تیز تر حق و صداقت کی چلی ایسی ہوا
شرک کی ڈور کٹی، تارِ بتاں ٹوٹ گیا

یوں مسلط ہوا طوفانِ خزاں گلشن پر
چہرۂ گل پہ تبسم کا سماں ٹوٹ گیا

چلتے رہنا ہے رہِ حق پہ ہمیشہ وارثؔ
یہ نہ کہنا کہ مرا پاؤں میاں ٹوٹ گیا

قاضی مشتاق احمد
پونے

محاذِ اول

# ..........تو پھر اردو کا مرثیہ کون لکھے گا؟

## (تیسری قسط)

سوال۔آپ کے علاقے میں کتنے اردو میڈیم اسکول ہیں اوران میں اساتذہ کی تعداد کتنی ہے؟

جواب۔ پونے میں ۱۹/اردو اسکول قائم ہیں اور پونے میں میونسپل کارپوریشن کے تحت ۲۷/اردو پرائمری اسکولز' خانگی انتظامیہ کے تحت اردو مدارس کی تعداد ۲۰/ رہے۔ پونے ضلع کے مختلف مقامات میں بھی اردو پرائمری اور ثانوی مدارس ہیں۔ اساتذہ کی صحیح تعداد معلوم نہیں لیکن اندازاً دو ڈھائی سو کے قریب ہوں گے۔ مہاراشٹر سرکار نے پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی بھرتی پر اسٹے آرڈر دیا ہے۔ اس لیے سیکڑوں کی تعداد میں ڈی ایڈ ڈپلومہ لیے نوجوان بھرتی ہونے کی امید میں دس بارہ سالوں سے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ دیہی علاقوں کے غیر اردو ڈی ایڈ نوجوانوں نے بیکاری سے تنگ آ کر مزدور کی حیثیت سے کام شروع کر دیا ہے۔ لیکن اردو والے بیشتر تصورِ جاناں میں بیٹھ کر بیکاری' تعصب اور اقربا پروری کا رونا رو رہے ہیں یا پھر شاعری کر رہے ہیں۔ اور والدین پر بوجھ بنے افسانوی گروپس میں شامل ہو کر وقت گزاری کر رہے ہیں۔ انھیں اتنی بھی توفیق نہیں ہوتی کہ کم از کم سلم ایریا (جھونپڑپٹی) میں جا کر اسکول نہ جانے والے یا ڈراپ آؤٹ طلبہ کو خالی پڑے اسکولوں میں لانے کی کوشش کریں۔ (یہ سب مہاراشٹر کے حوالے سے کہہ رہا ہوں)۔ میں اپنے کالموں اور مضامین میں گنگا پور (ضلع مرشد آباد) کے بابر علی کا ذکر کرتا ہوں جس نے گاؤں کے کھلے آسمان کے نیچے ادھر ادھر بھٹکنے والے بچوں کو جمع کر کے پڑھانا شروع کیا۔ اس کے لیے وہ روزانہ ۶۰/ کیلومیٹر کا سفر کچی پکی سڑکوں پر طے کرتا تھا۔ جی پی سی نے بابر علی کو دنیا کا سب سے کم عمر ہیڈ ماسٹر قرار دیا ہے۔ کرناٹک کے پری یونیورسٹی کورس میں ان پر ایک سبق شامل کیا گیا ہے۔ جولائی ۲۰۱۲ء کے ٹی وی شو ''ستیہ میو جیتے'' میں انھیں بطورِ خاص مدعو کیا گیا تھا۔ آج بابر علی کا اسکول کھلے آسمان سے پکی عمارت میں آ گیا ہے جہاں تین سو سے زائد طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

سوال۔آپ کے علاقے میں کتنی لائبریریاں ہیں اور وہاں کون سے اخبارات و رسائل آتے ہیں؟

جواب۔ پونے شہر کو مشرق کا آکسفورڈ اور دکن کا علی گڑھ کہا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں بے شمار لائبریریاں ہیں۔ جہاں تک اردو کا تعلق ہے دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ کے زیرِ اہتمام ایک شاندار لائبریری اور ریڈنگ روم ہے جہاں بڑی تعداد میں شائقینِ ادب آتے ہیں۔ اس کے علاوہ مضافاتی علاقوں میں واقع کھڑکی میں ہمدرد لائبریری' کونڈوا' ہڑپسر' ایروڈا' میں بھی لائبریریاں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہر پرائمری اسکول' ہائی اسکول اور کالجوں میں بھی لائبریریاں ہیں۔ کونڈا میں اپنا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام ایک لائبریری اور ریڈنگ روم ہے۔ یہاں کے میونسپل کارپوریشن' اعظم ٹرسٹ' عوامی محاذ' تنظیمِ والدین جیسے ادارے ان کی اعانت کرتے ہیں۔ پونا کالج میں اردو شعبے کے تحت اچھا کام ہو رہا ہے۔ پونے میں کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے مطابق نصابی کتابیں تیار کرنے کے لیے ''بال بھارتی'' نامی ادارہ قائم ہے۔ یہاں کی لائبریری میں بھی کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ پونے میں اردو کے بیشتر اخبارات و رسائل آتے ہیں۔ قومی کونسل کی موبائل وین کا پونے میں ہمیشہ گرم جوشی سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔

سوال۔آپ کے علاقے میں کتنی اردو تنظیمیں' ادارے اور انجمنیں ہیں اور کس نہج پر اردو کے فروغ کے لیے کام کرتے ہیں؟

جواب۔ چند اداروں کے نام پہلے ہی گنوا چکا ہوں۔ بہرحال دکن مسلم انسٹی ٹیوٹ' ہمدرد لائبریری' پونا کالج' اپنا فاؤنڈیشن' عوامی محاذ' انجمن ترقی اردو ہند (پونے)' رسک متر منڈل اور اعظم کیمپس کے زیرِ اہتمام بزمِ ادب' تنظیمِ والدین اردو مدارس ضلع پونے' ادبی نشستوں کے انعقاد کے علاوہ اردو کتابوں کے اجرا اور نمائشوں کے ذریعہ اردو کے فروغ کے لیے کام کر رہی ہیں۔

سوال۔آپ مقامی سطح پر اردو کے فروغ کے لیے کیا کوشش کر رہے ہیں؟

جواب۔ میں تصنیف و تالیف اور ڈراما نویسی کے ذریعہ مقامی سطح پر بھی اردو کے فروغ کے لیے کوشش کر رہا ہوں۔ سرکاری ملازمت (بحیثیت ایڈیشنل ڈائریکٹر محکمۂ سماجی بہبود) میں نے سرکاری سطح پر انسدادِ منشیات کے تحت اردو زبان میں مذاکرے' شعری نشستیں' نکڑ ڈرامے' فل لینتھ ڈرامے مقامی اور ریاستی سطح پر پیش کیے۔ میں جس غیر اردو علاقہ (آئی سی ایس کالونی) میں رہتا ہوں وہاں کی سرگرمِ عمل ثقافتی انجمنوں' محلّہ کمیٹی' سینئر سٹی زن کلب کے تحت اردو زبان میں مذاکرے' ڈرامے' ادبی نشستیں منعقد کرنے میں پہل کی اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس علاقے میں موجود وینکٹھ مہتہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کوآپریٹیو منیجمنٹ (جہاں ملک اور بیرونِ ملک کے طلبہ زیرِ تعلیم ہیں) کے تعاون سے اردو ڈرامے' شبِ غزل' سمینار منعقد کرائے (قومی کونسل کی مالی اعانت سے اس ادارے نے سہ لسانی مذاکرے اردو' ہندی اور مراٹھی میں منعقد کیے)۔ پونے شہر اور مہاراشٹر کے دوسرے شہروں میں '' آئیڈیا ڈراما اکاڈمی'' کے تعاون سے غیر اردو علاقوں میں اردو ڈرامے (مرزا غالب کی حویلی' آزاد کا خواب' شہید بھگت سنگھ' مہاتما جیوتی راؤ پھلے' بیگم جان کا شوہر وغیرہ) پیش کر کے غیر اردو شائقین کو اردو زبان و ادب کی شیرینی سے متعارف کروایا۔ (جاری)
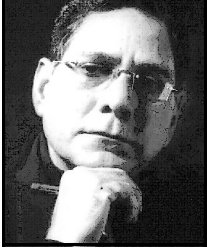
سید نفیس دسنوی
Plot No:1481/B,Sector-6.C.D.A
Bidanasi.Cuttack-753014(Odisha)
Mob-9437067585

# تحقیق کیا ہے؟

تحقیق یعنی ریسرچ(Research) کا اصل مقصد ہے حقائق یعنی Facts کو ثابت کرنا، یا پھر صحیح سمت کی جانب اس کا منہہ موڑنا۔ تحقیق کا لغوی معنی ہے تلاش، جستجو، حقائق کی دریافت اور اس کی اصلیت کا پتہ لگانا۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحقیق دراصل حقائق کے انکشاف کا عمل ہے، یا پھر یوں کہئے کہ تحقیق بازیافت کا وہ عمل ہے جس کے ذریعہ ان حقائق تک رسائی ہوتی ہے جو ماضی کا حصہ بنتے بنتے دائرۂ علم سے باہر ہو جاتے ہیں۔ کسی محقق کے رول میں یہ بھی شامل ہے کہ کسی الجھے یا غیر معروف مسئلے کو حل کرنے کی سمت میں تمام ماخذ و مصادر کی تفصیلی چھان بین کرنا اور مکمل غیر جانب داری کے ساتھ ساتھ مسئلے کے صحیح نتائج تک رسائی حاصل کرنا۔

دانشورانِ ادب کا کہنا ہے کہ تحقیق کا نصب العین حقیقت کی جستجو اور واقعہ کی صداقت کی دیانت داری سے تلاش کرنا ہے۔ جس سے مسئلہ یا ٹاپک(Topic) کی صداقت (Authenticity) پر روشنی ڈالی جاسکے۔ تحقیق کا بنیادی مقصد ہی نامعلوم حقائق کی تلاش اور نامانوس حقائق کی توسیع اور تصدیق کرنا ہے یا پھر ان کی خامیوں اور کمیوں کی نہ صرف نشان دہی کرنی ہے بلکہ ان کی رہنمائی اور تصحیح بھی لازمی ہے۔ تحقیق کسی امر کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی سعی کرنا ہے تا کہ کسی غلط یا آدھے سچ پر مبنی تحقیقی مواد کی بنیاد پر غلط فیصلہ صادر ہونے کا احتمال نہ رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ تشکیک کو تحقیق کی خشتِ اول(First Brick) کی حیثیت حاصل ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ ''شک'' کی منزل سے گزر کر انسان ''یقین'' کی منزل تک پہنچتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ ''غیب'' کے عرفان کے لیے ''حاضر'' کا ادراک لازمی ہے۔ موت کی شناخت زندگی کے بغیر ممکن نہیں۔

کسی بھی زبان کی کسی بھی صنف ادب میں تحقیق کا اولین مقصد نت نئے حقائق کی کھوج ہے اور پہلے سے طے شدہ حقائق کی بہت گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد اس کی دیانتدارانہ تصدیق یا تردید، اور آخر میں موضوع (Topic) کے حقائق کی دلیل کے ساتھ تشریح اور تعبیر کرنا ہے۔ کسی بھی تحقیقی پروجیکٹ کے آغاز ہی میں ان تمام امور کا خیال رکھنا ریسرچ اسکالر کے لئے لازمی امر خیال کیا جاتا ہے۔

اس بات سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک محقق وقت کی شکستہ کڑیوں کو دوبارہ جوڑنے اور بھولی بسری سچائیوں کو ازسرِ نو دریافت کرنے کا اہم فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہ بات کسی بھی محقق کے لئے سچ ہے کہ تحقیق کا معیار دستیاب مواد کی بنیاد پر نتائج اخذ کرنے کا منطقی (Logical) اور استدلالی انداز اور افہام و تفہیم کا سلیقہ اس کے پختہ فنی شعور کا اچھا نقش قائم کرنا ہے۔ تحقیق میں نتائج کی منزل تک کا سفر شہادتوں اور ثبوتوں کی صحت کے حوالے سے ہی طے کیا جانا ہے۔ تحقیق کا عمل اگر کسی معاشرے میں غیر ضروری اور ناکارہ سمجھا جانے لگے تو پھر جھوٹ اور غلط اور سچ اور صحیح کو گھن کی طرح کھانے لگتے ہیں، جس سے اس ادب کی بنیاد کھوکھلی ہونے لگتی ہے۔

امتیاز علی عرشی، قاضی عبدالودود، رشید حسن خاں، مشفق خواجہ، حسن عسکری، اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے ترو ینی کارنامے جدید اردو تحقیق کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، سید عبداللہ، پروفیسر گیان چند جین اور ڈاکٹر وحید قریشی وغیرہم کی تحقیقات اردو کی اصل یعنی کلاسیکی روایت کی بازیافت سے ہی عبارت ہے۔

تحقیقی مقالوں کی ابتدا ۱۹۳۲ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے شعبۂ اردو سے ہوئی۔ ڈاکٹر شیخ چاند نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی نگرانی میں سوداؔ پر پہلا تحقیقی مقالہ تحریر کیا۔ تقسیم ملک کے بعد فطری طور پر اردو کی جڑیں کمزور ضرور ہوئیں، مگر اعلیٰ سطح کی تعلیم میں خوش گوار ترقی ہوئی۔ اور الحمدللہ جس وسیع پیمانے پر تحقیقی کام مختلف یونیورسٹیوں میں اردو زبان و ادب میں ہوا اور ہو رہا ہے وہ شاید کسی اور زبان و ادب میں نہیں ہوا۔ خوشی کی بات ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان کی تقریباً ستر (۷۰) جامعات میں اردو زبان ادب پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔

☆☆☆

# حمد و نعت


## عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,


### حمدِ باری تعالیٰ

خالقِ کل جہاں، مالکِ دو جہاں — تیری تخلیق ہے کہکشاں کہکشاں
ہے ہوا اور پانی سے ہی زندگی — تیری رحمت کا دریا ہے ہر سو رواں
چاندتاروں میں، سورج میں تیری ضیا — جس سے پُرنور ہیں یہ زمین وزماں
ہیں ثلاثہ موالید خلقت تری — جن کے دم سے ہے آباد سارا جہاں
ہر نظارہ ہے عالم کا بہجت فزا — حسنِ فطرت کا ہر سمت جلوہ عیاں
درک سے جس کے قاصر حواسِ بشر — یہ فضا، یہ خلا، یہ مکاں لامکاں
غاب و کوہ و دمن مرغزار و چمن — وادی و دشت و در، دل نشیں ہر سماں
بالیقیں ناپدید اور اگوچر ہے تو — یعنی غیب الغیوب اے خدائے جہاں
جنّ و انساں ملک اور مواشی وحش — سب کا معبود تو، سب کا روزی رساں
سید المرسلیں، احمد مجتبےٰ — تیرے محبوب ہیں شافعِ عاصیاں
تو نے دینِ محمد کی تکمیل کی — دینِ اسلام تیری رضا بے گماں
عالمی جنگ کے پیدا آثار ہیں — کر عطا نوعِ انساں کو امن واماں
نیوکلر ہو جو جنگِ خلائی اگر — ہوں گے زد میں فنا کی زمیں آسماں
کر عطا مجھ کو توفیق بارِ خدا — روز و شب حمد تیری ہو وردِ زباں
اک نگاہِ کرم سوئے فیضیؔ بھی ہو — تیرے الطاف سے مستفیض انس وجاں


## انجینئر عزیز تنویر کوٹوی
ZeeshanFarmhouse.Bakramandi
Ajmer-305003(Rajasthan)


### حمدِ باری تعالیٰ

اس کی قدرت کے مناظر عرش کے تاروں میں دیکھ
غور سے ارض و سما کے بیچ نظّاروں میں دیکھ
ڈھونڈنے والے اسے کعبے کی دیواروں میں دیکھ
وہ نظر آیے گا تو قرآن کے پاروں میں دیکھ
ان گلوں کو جس نے بخشی دلربائی، رنگ و بو
اس کی تو موجودگی گلشن کی مہکاروں میں دیکھ
بے زباں مخلوق بھی کرتی ہے اس کی بندگی
صبح دم حمد و ثنا چڑیوں کی چہکاروں میں دیکھ
وہ کسی کو بھی کبھی بھوکا سلاتا ہی نہیں
اس کی رزّاقی کو جا افلاس کے ماروں میں دیکھ
اللہ اللہ یہ دوانے تیرے گھر تک آگئے
یہ تلاش و جستجو لبّیک کے نعروں میں دیکھ
دیکھنا گر ہے تجھے تنویرؔ نورِ ذوالجلال
جا کے مکہ میں حبیبِ رب کے ان غاروں میں دیکھ


## حافظ محمد طفیل احمد رضوی
At Sonapali.P.O:Dhankoda
Sambalpur-768006(Odisha)


### حمدِ باری تعالیٰ

رگِ گلو سے قریب تر ہے مگر نگاہوں سے مستتر ہے
ہو مہرِ تاباں کہ ماہِ رخشاں، اسی کے جلوے سے معتبر ہے
سمائے خواب و خیال میں کیا، محال مطلق تصور اس کا
نظیر اس کا نہ کوئی ہمتا، نہ اس کا کوئی مکاں مقر ہے
جو کنتُ کنزاً ہے اس کی خلوت، تو خلق کونین اس کی جلوت
ہے اس کا مظہر وہ نور پیکر، جو بالیقیں سید البشر ہے
جسے ہے تابِ نظر وہ دیکھے، ہے گر بصیرت نظارہ کر لے
وہ چشمِ ظاہر سے مستتر ہے، نگاہِ باطن میں جلوہ گر ہے
نگارِ فطرت کے یہ کرشمے، عروسِ فطرت کے رنگیں جلوے
گلوں کی نکہت، چمن کی نزہت، اسی کا مظہر یہ دشت و در ہے
گناہِ بے حد پہ ہوں پشیماں، مگر ہے پھر بھی امید غفراں
رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے، وہ عدل گستر ہے داد گر ہے
تلاش کیا کو بہ کو ہو اس کی، کہاں کہاں جستجو ہو اس کی
ہے چشمِ بینا تو دیکھو حافظؔ کہ قلبِ پاکیزہ اس کا گھر ہے


## نیاز نذر فاطمی
Al NoorMansion,
Opp:MahavirCancerSansthan
HaroonNagar.PhulwariSharif
PATNA-801505(Bihar)


### تضمینی نعتِ پاک

میرے دل میں جو محبت مرے سرکار کی ہے — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
خندقِ جہل سے نکلی جو ہے جگ مگ دنیا — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
دورِ مشکل میں بھی ایمان کا روشن ہے دیا — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
عورتیں مردوں کے ہم سر ہیں جو ہر میداں میں ہیں — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں جو شاہ و گدا — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
ہے قدم پہلا مساوات پر یہ نظمِ زکوٰۃ — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“
نعت کہہ لینا ترے بس میں نہ تھا نذرؔ کبھی — ”یہ نوازش، یہ عنایت مرے سرکار کی ہے“


## محسن عظیم انصاری
NafeesaAzeemHouse
538 Kha/200
BehindChharMinarMasjid
Rooppur.Khadra.Lucknow-226020


### نعتِ پاک

پارسائی کے ہیں مظہر رحمت اللعالمیں — ہیں وہ سرور، ہیں وہ رہبر رحمت اللعالمیں
سیدِ کونین ہیں ثقلین کے داور وہی — جاہ و منصب کے ہیں محور رحمت اللعالمیں
ابنِ ہاشم مطلب کے ہیں نبیرہ مصطفےٰ — جائے گاہِ نورِ انور رحمت اللعالمیں
دُرجِ شان وفضیلت کی ہے نکہت اوج پر — نیکیوں کے ہیں وہ پیکر رحمت اللعالمیں
ہیں مکرّم، ہیں معظّم، ہیں بشیر اور وہ نذیر — ہیں پئے عاصی وہ مضطر رحمت اللعالمیں
ہیں خدیجہ، عائشہ مائیں دگر سب محترم — عظمت و وقعت کے پیکر رحمت اللعالمیں
شافعِ محشر عظیمؔ اور قاسمِ کوثر وہی — ہیں محمد بس پیمبر رحمت اللعالمیں

## علیم الدین علیم

P-69,ModialiRoad(2ndFloor)
Kolkata-700024(W.B)


### نعتِ پاک

سب پہ ظاہر ہے زمانے میں سخاوت آپ کی
دشمنِ جاں پر بھی ہے چشمِ مروّت آپ کی
کلمہ پڑھ کر کنکروں نے دی شہادت آپ کی
مرضیٔ رب کی اطاعت ہے اطاعت آپ کی
چھٹ گئیں تاریکیاں ارض و سما روشن ہوے
اس جہاں میں جب ہوئی نوری ولادت آپ کی
یا شہِ لولاکؐ یا شاہِ اممؐ خیر الوریٰ
''آج بھی ہے تیرہ بختوں کو ضرورت آپ کی''
مٹتی آخر کس طرح ہستی ہماری دہر میں
ہم گنہگاروں پہ تھی چشمِ عنایت آپ کی
اہلِ دل کو نقشِ پا پہ ان کے چل کے حق ملا
نور سے معمور ہے اک اک ہدایت آپ کی
لو لگائے گنبدِ خضرا کی جانب ہے علیمؔ
اس کو لے جائے گی جنت میں شفاعت آپ کی


## سید محمد نورالحسنین نور نوابی عزیزی

QazipurSharif.(U.P),


### نعتِ پاک

ہر اوج کا سر جھکتا ہے شاہا ترے آگے
کوئی بھی تو لگتا نہیں اونچا ترے آگے

ہے آئینۂ حسنِ ازل تیرا سراپا
پھر کون کرے حسن کا دعویٰ ترے آگے

اللہ رے اے پایۂ نبی تیرا تقدس
رگڑے ہیں جبیں بلبلِ سدرہ ترے آگے

تو سیدِ کونین ہے تو رحمتِ کل ہے
سلطانِ زمانہ بھی ہے منگتا ترے آگے

ہر قوتِ باطل کو ہلا دے تری ہیبت
ہیں لرزہ بدن قیصر و کسریٰ ترے آگے

اے ابرِ کرم شمعِ حرم جانِ دو عالم
سکّہ نہ چلا اور کسی کا ترے آگے

ہاتھ آیے اگر دولتِ کونین تو وہ بھی
کردوں گا نچھاور مرے مولا ترے آگے

مانا کہ فلک بوس عمارات بہت ہیں
کچھ بھی نہیں وہ گنبدِ خضرا ترے آگے

انصار سے پوچھے کوئی ہجرت تری کیا ہے
پلکوں سے بچھا سارا مدینہ ترے آگے

کیا منصبِ عالی ہے ترا کس کو پتہ ہے
گردوں کو بھی آتا ہے پسینہ ترے آگے

بس کاسۂ دل رکھ دیا داتا ترے در پر
لب کھولنا اچھا نہیں لگتا ترے آگے

ہے شہر ترا دور مرے گھر سے یہ مانا
دشوار ہے کیا گھر مرے آنا ترے آگے

بجھ جایے ترا نور جو آیے مہہِ گردوں
نقشِ قدمِ سید والا ترے آگے

معراج تری ہے مرے ادراک سے باہر
معراج مری خاک میں ملنا ترے آگے

ہوگا نہ کبھی تیرے کرم کو یہ گوارا
ہو نورؔ ترا حشر میں رسوا ترے آگے


## اکبر چنوری

H.No:1-14-753/1,KausarNagar
Kagaznagar-504296
Dt:K.B.Asifabad(Telengana)


### نعتِ پاک

دل کی حالت کو مری شاہِ امم جانتے ہیں
زندگی کے مرے سب رنج والم جانتے ہیں
عظمتِ سیدِ ابرار کریں کیسے رقم
''قیمتِ حرفِ سخن اہلِ قلم جانتے ہیں''
ان کی رفعت کے ترانے ہیں زباں پر سب کے
وہ ہیں محبوبِ خدا دیر و حرم جانتے ہیں
کس عقیدت سے لکھی جاتی ہے مدحت ان کی
لبِ قرطاس پہ تحریکِ قلم جانتے ہیں
پڑھ کے بیمار پہ دم کرتے ہیں اکثر اس کو
ہے دوا درد کی وہ نام یہ ہم جانتے ہیں
زلفِ تقدیر کہاں کس کی سنواریں اکبرؔ
کاکلِ سرورِ کونین کے خم جانتے ہیں


## صابر کاغذنگری

H.No:1-3-35/B.NearOldRailway
Gate.SanjeevaihColony
Sirpur.Kagazmagar-504296(T.S)


### نعتِ پاک

سرورِ دو عالم سا پیشوا نہیں کوئی
سیرتِ نبی جیسا آئینہ نہیں کوئی
راہ بر نہیں کوئی رہنما نہیں کوئی
آپ سا زمانے میں دوسرا نہیں کوئی
طاعتِ محمد ہے طاعتِ خدا لوگو
اسوۂ نبی جیسا راستہ نہیں کوئی
حرف حرف قرآں کا جوں کا توں منور ہے
اس سے بڑھ کے دنیا میں معجزہ نہیں کوئی
خاتمِ رسالت ہیں سرورِ دو عالم ہی
صابرؔ اب نبوت کا سلسلہ نہیں کوئی


## سبطین پروانہ

At Dilalpur.P.O: Salmari
Katihar-31155(Bihar)
Mob-9472217246


### نعتِ پاک

میری چمکے گی قسمت کبھی نہ کبھی
ہوگی چشمِ عنایت کبھی نہ کبھی
یا خدا کام آتی ہے کام آیے گی
کملی والے کی چاہت کبھی نہ کبھی
خلد سے پہلے ہم کو مدینہ ملے
پوری ہوگی یہ چاہت کبھی نہ کبھی
مثلِ گل مہکے گی اب خدا کی قسم
آپ کی یہ محبت کبھی نہ کبھی
ہے یقیں ہم کو پروانہ مل جایے گی
نورِ یزداں کی قربت کبھی نہ کبھی

## اوج اکبرپوری
Rohtas(Bihar)


### عید میں

یوں تو سب لوگ ہیں شاداں عید میں — وہ خلوص اب کہاں ہے مگر عید میں
ساقیا تیرا کھل جایے گا سب بھرم — کھل گئی گر ہماری زباں عید میں
ہے یقیں اشک آنکھوں میں بھر جائیں گے — گر سنوگے مری داستاں عید میں
ہر قدم پر ملیں گی تمھیں دوستو — کتنی اجڑی ہوئی بستیاں دوستو
حالِ دل بھی کہیں ہم تو کس سے کہیں — تم وہاں عید میں ہم یہاں عید میں
اپنی آنکھوں سے خود آ کے تو دیکھ لے — کتنا بے جان ہوں میری جاں عید میں
چاند سورج کی کرنیں بھی رقصاں ہیں جب — اوج پر کیوں نہ ہو کہکشاں عید میں

## سراج زیبائی
1st Floor.1stCross.Anandrao
Badavane.Shivmogga-577205


### سکّے کھنکیں گے

جب ہاتھ میں سکّے کھنکیں گے
جھومیں گے سارے مستی میں
ہلچل سی ہوگی بستی میں
جگ ہوگا عیش پرستی میں
مہکیں گے لب دہکیں گے گال
پھیلائیں گے خوشبو ریشمی بال
کہلائیں گے حاکم سب کنگال
جب ہاتھ میں سکّے کھنکیں گے
سچ ہوں گی خواب کی تعبیریں
بن جائیں گی پھوٹی تقدیریں
ٹوٹیں گی ظلم کی زنجیریں
جب ہاتھ میں سکّے کھنکیں گے
قاتل بھی قید سے چھوٹیں گے
اپنے اپنوں سے روٹھیں گے
چاہت کے بندھن ٹوٹیں گے
جب ہاتھ میں سکّے کھنکیں گے

## علیم صبا نویدی
266,TriplicaneHighRoad,FlatNo.16,
IIndFloor,RiceMandisTreet,Chennai-600005


### ایک سانیٹ

رسولِ ادب شمس الرحمٰن فاروقی کی رحلت پر

وہ اک رسولِ ادب جس کی اپنی جھولی میں
نگارِ فکر کے سکّے کھنکتے رہتے تھے
حیات آفریں جذبے مہکتے رہتے تھے
وہ اپنے وقت کا نقش ہند تھا جنابوں میں
بہت نمایاں تھا تنقید کی کتابوں میں
سدا بہار تھا شاداب تھا نگاہوں میں
ہمیشہ رہتا تھا پرنور سب کی چاہوں میں
وہ طاق طاق تھا ہر ایک فن کی ٹولی میں

☆

چراغ اس نے جلایے تھے علم والوں میں
جہاں اندھیروں کی خاموش حکمرانی تھی
جہاں ادب کی پرانی سی اک کہانی تھی
جہاں سکوت تھا سب ہی باکمالوں میں

☆

اجالے اس نے بکھیرے تھے فکر و فن کے وہاں
بساطِ شعر نہ سمجھا کبھی کسی نے جہاں


## عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara,Samblpur,Odisha,


### رباعیات

یہ صبحِ حسیں اور دلکش منظر — یہ شام کی گل رنگ شفق کی چادر
یہ دل افروز نظارے یہ جنوں خیز بہار — ہجرِ جاناں میں مگر دل ہے ہمیشہ مضطر

☆

ماں باپ کی عزت کا بھرم رکھنا ہے — بھائی بہنوں کی محبت کا بھرم رکھنا ہے
تم کو ہر حال میں ہر دور میں پیارے بچو — اپنے کنبے کی شرافت کا بھرم رکھنا ہے

☆☆☆

عثمان غنی
63/25,JayramStreet.Chennai-600021

## دانائے راز ہوجا!

ہے دل شکن زمانہ تو دل نواز ہوجا
کبر و غرور تج کر وقفِ نیاز ہوجا

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی محفل
تو چھیڑ سازِ الفت محفل گداز ہوجا

دل جوڑنے کے بندھن دنیا نے توڑ ڈالے
الفت کا گیت بن جا' الفت کا ساز ہوجا

قدرت نے علم وفن کا تجھ کو امیں بنایا
اٹھ اور اٹھ کے پھر سے دانائے راز ہوجا

شاہین ہو کے تیرا یوں خاک باز رہنا
زیبا نہیں ہے تجھ کو محوِ فراز ہوجا

علم و ہنر میں تیرے اسلاف کی امانت
وارث کی حیثیت سے آ اور مجاز ہوجا

تیری تجلیوں کا ہے منتظر زمانہ
برسوں رہا ہے جگنو اب برق ناز ہوجا

ساتھی قدم بڑھا کر آگے نکل چکے ہیں
اے شہسوار بڑھ کر منزل نواز ہوجا

اخفائے راز ہی میں اک عمر کٹ چکی ہے
اے رازِ دل سراپا افشائے راز ہوجا

اک اضطراب پیہم چھایا ہے بحر و بر پر
پیغامِ امن بن جا' ملت نواز ہوجا

منیر ارمان نسیمی
ChhotaShankarpur
Bhadrak-756100(Odisha)

## نام ہے اس کا غزل

چاند سا روشن چہرہ
نینوں میں کاجل کا پہرہ
کالی زلف گھنیری
ہونٹ گلابی رس کی کٹوری
رخساروں پہ جوبن کی چھبن
ہوش اڑا دے ایسی چتون
چلے تو سب پہ مستی چھائے
رکے تو سب کی سانس رک جائے
سات سروں کی البیلی تان
آواز میں جھرنوں جیسی اٹھان
دیکھ کے جس کو ہو جائے زمانہ پاگل
ایسی ہے اپنی اردو غزل

شمس الحق شمس
At:Deopur.P.O:Biribati
Dist:Cuttack-754100

## جنگِ یوکرین

سرزمینِ یوکرین اب جنگ کا میدان ہے
ساری دنیا میں وہی مظلوم کی پہچان ہے
گرتے رہتے ہیں مزائل اس کے ہر اک شہر پر
دیکھ کر بربادیاں سارا جہاں حیران ہے
وحشت وظلم وستم کا رقص جاری ہے یہاں
شہریوں کے واسطے اب موت کا سامان ہے
جل رہا ہے کوئی لیکن ہر کوئی خاموش ہے
ظلم ہوتا دیکھ کر بھی ہر کوئی انجان ہے
دشمنی مہنگی پڑی ہے روس کو کچھ شک نہیں
اپنی نادانی پہ اب ہونے لگا حیران ہے
ساری دنیا کی معیشت ڈوبنے والی ہے اب
یہ حقیقت جو نہ سمجھے وہ بڑا نادان ہے
کس لیے جنگ وجدل اور دشمنی کرتے ہیں لوگ
زندگی دو روز کی اپنی یہاں مہمان ہے
شانتی ہوجایے قائم شمسؔ کی ہے یہ دعا
سب رہیں مل جل کے آپس میں یہی ارمان ہے

مدہوش بلگرامی
224,BaheraSaudgarEast
Hardoi-241001

## سہرا

باغِ فردوس کے پھولوں سے سجا کر سہرا
ہم بھی لایے ہیں بصد شوق معطر سہرا

ماہ و انجم بھی چلے آیے بدھائی دینے
رخ پہ نوشاہ کے دیکھا جو منور سہرا

چاند سا چہرہ نظر آتا ہے پھولوں میں ہمیں
جس کو آیے نہ یقیں دیکھے اٹھا کر سہرا

جن کی تابانی سے معمور ہوئی بزمِ حیات
آج ان تاروں سے لایے ہیں بنا کر سہرا

ہر لڑی جھوم کے کہتی ہے بصد ناز و ادا
دیکھ لے مادرِ نوشاہ بھی آکر سہرا

ہر کلی بوئے محبت سے سدا ناز کرے
عمر بھر یہ جو رہے یوں ہی معطر سہرا

شاد ہیں بھائی تو مسرور ہیں والد صاحب
جھوم کر کہتے ہیں کیا خوب ہے بہتر سہرا

آج کہتی ہیں بڑے پیار سے بہنیں ساری
ہو مبارک تجھے اے میرے برادر سہرا

بوئے اخلاص میں ہر پھول بسا کر مدہوشؔ
کتنے ارمانوں سے لایے ہیں بنا کر سہرا

# گوشۂ احباب

(مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں)

☆**صادق علی انصاری** (سیتاپور، یوپی)

اس کبرسنی میں بھی آپ ادبی محاذ کو پابندی سے شائع کررہے ہیں یہ بڑی بات ہے۔مواد اور خدو خال کے اعتبار سے یہ رسالہ لائقِ تحسین ہے۔اللہ پاک آپ کو صحت اور حوصلہ سے نوازے۔

عیدالفطر کے مقدس موقع پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

☆**ڈاکٹر رفیق احمد** (مئوناتھ بھنجن، یوپی)

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے۔اپنی کتاب ''فکر تونسوی کی ادبی وصحافتی خدمات آپ کو بھیج رہا ہوں۔وصولیابی کی رسید اور اپنی رائے سے نوازیں گے تو مجھے خوشی ہوگی۔کتاب کے بارے میں آپ کے گرانقدر تاثرات کا مجھے انتظار رہے گا۔ادبی محاذ جنوری تا مارچ ۲۰۲۲ء کا شمارہ موصول ہوا،شکریہ

قاضی مشتاق احمد، پروفیسر ابن کنول، ظفر اقبال ظفر اور ایم نصر اللہ نصر کی تخلیقات کافی معیاری اور عمدہ ہیں۔افسانوی اور شعری حصہ بھی لائق مطالعہ ہے۔ادبی محاذ کے ذریعہ آپ کی علمی وادبی خدمات قابلِ تعریف ہیں۔اپنی کتاب ''اردو کے چند نمائندہ طنز و مزاح نگار'' پر تبصرے کے لئے آپ کا اور عبدالمتین جامی صاحب کا مشکور ہوں۔

☆**عبدالمجید فیضی** (سمبلپور)

سہ ماہی ادبی محاذ بابت ماہ اپریل تا جون ۲۰۲۲ء موصول ہوا۔قاضی مشتاق احمد کا نوشتہ محاذ اول بعنوان ''تو پھر اردو کا مرثیہ کون لکھے گا؟'' قابلِ اعتنا ہے۔اردو زبان وادب کے زوال پذیر ہونے کے اسباب وعلل پر سیر حاصل نکات رقم کی ہے۔اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی ادارت میں معیاری، سبق آموز اور قابلِ تحسین مضامین ہوتے ہیں۔

میں نے آپ کی خدمت میں ''حمد باری تعالیٰ ارسال کی تھی مگر صفحہ ۸ پر اسے اس طرح ذبح کیا گیا کہ پندرہ اشعار پر مشتمل حمد کے تمام تر مصارع اولیٰ جاں بحق ہوگئے مگر مصارع ثانی کی جان بخش دی گئی۔خیر مضی مامضی۔

اب اسی حمد باری تعالیٰ کو پھر ارسالِ خدمت کررہا ہوں، براہ کرم مکمل کلام کو شائع کریں۔علاوہ ازیں میری طرحی غزل (صفحہ ۵۳) میں اب کی جگہ کب کردیا گیا۔میں نے لکھا تھا۔مشاعروں سے گریزاں ہیں اب سبھی شاعر اسے بدل کر مصرع ہوگیا، مشاعروں سے گریزاں ہیں کب سبھی شاعر۔
حافظ طفیل احمد کے ایک شعر میں زہرہ جبینوں کی جگہ زہر جبینوں ہوگیا۔

امید ہے آپ میری تحریر سے کبیدہ خاطر نہیں ہوں گے۔

نوٹ:۔غلطیوں کی نشاندہی کے لیے شکرگزار ہوں۔دراصل پروف ریڈنگ ٹھیک سے نہ ہونے کی بنا پر ایسا ہوا ہے۔معذرت خواہ ہوں۔آپ کی مذکورہ نعتِ پاک اسی شمارے میں دوبارہ شامل ہے)

☆**مدہوش بلگرامی** (ہردوئی یوپی)

سہ ماہی ادبی محاذ کا تازہ شمارہ نظرنواز ہوا۔ٹائٹل کور پلٹتے ہی جناب سید شکیل دسنوی مرحوم کی تصویر ایک خوبصورت غزل کے ساتھ سامنے آئی تو مرحوم کی یادیں، ان کی محبت وقدر دانی کے تمام پہلو ذہن ودل میں گونجنے لگے۔اس قدر مخلص دوست اور شریف النفس انسان آج کے دور میں مشکل سے ہی تلاش کئے جاسکتے ہیں۔میں ان کے لئے دعائیں کرتا ہوں اور ایصال ثواب بھی کرتا ہوں۔نورانی محفل کے درمیان صنم کا موجود ہونا دلی تکلیف کا سبب ہے کیونکہ جہاں پر ذکر رسول ہورہا ہو، قدرت مہربان ہو، رحمت کی بارش ہورہی ہو تو بہتر ہے ایسے میں غزل جیسی صنف صنم سے پرہیز کرتے ہوئے گناہوں سے دامن بچایا جائے۔یعنی نعتِ رسول کے دوران اولا در سول قدسی، عینی بھساولی اور رفیق وارث کی غزلیں بہت کھٹک رہی ہیں۔غزلوں کو انہیں کے صحبت میں درج کرنا تھا۔اسحاق انور کی نعت رسول پسند آئی۔مہمان شاعر بہترین کالم ہے۔کم سے کم نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور ان کی تخلیق اور شخصیت سے تمام لوگ متعارف ہوں گے۔غلام مرتضیٰ راہی جیسے معروف جدت پسند قلمکار اور حیرت فرخ آبادی جیسے گنگا جمنی تہذیب کے علم بردار اور بزرگ شاعر کے سانحۂ ارتحال پر اردو شعر وادب کو کافی نقصان پہنچا ہے۔احمد نثار اور ظفر اقبال کی غزلوں نے متاثر کیا ہے۔آپ کے قلم سے لکھے گئے تبصرے بھی خوب سے خوب تر ہیں۔آپ کی محبت، نوازش، کرم فرمائی، اور قدردانی ہر اعتبار سے لائق ستائش ہے میں اگر اپنے ہر دلعزیز ترین دوست اور بے پناہ محبتوں کے جو ہر لٹانے والے حضرت سید نفیس دسنوی صاحب کا ذکر نہ کروں تو اپنے قلم کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔نفیس صاحب نے ادبی محاذ کو جس خوبصورتی سے سجانے اور ترتیب دینے کی ذمہ داری سنبھالی ہے اس کے لیے میں ان کی شخصیت اور ذمہ دارانہ کردار کو سلام کرتا ہوں۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ ادبی محاذ اسی طرح ہر اعتبار سے پھولتا پھلتا رہے اور اس سے منسلک سبھی حضرات اس کو خوب سے خوب تر بنانے کے علاوہ سعید رحمانی اور نفیس دسنوی صاحبان کے شانہ بشانہ چلتے رہیں۔میری نیک

تمنائیں آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔
(نوٹ:۔ ہمارے سرپرستوں کا جو نمونۂ کلام شائع کیا جاتا ہے اس میں ان کی نعت اور غزلیں اس لیے شامل کی جاتی ہیں کہ وہ ہر دو اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ آپ غزل کو صنفِ صنم میں شمار کرتے ہیں اور اسے گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اب تک ایک بھی غزل نہیں لکھی ہوگی۔ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جو غزلیہ مجموعے شائع ہو رہے ہیں تقریباً سبھوں کی ابتدا حمدیہ اور نعتیہ کلام سے ہوتی ہے۔ کیا ایسا کرنا غلط ہے؟)

**☆انجینئر عزیز تنویر کوٹوی** (اجمیر، راجستھان)

مجھے سہ ماہی ادبی محاذ برائے جولائی تا ستمبر۲۲ کا شمارہ ۱۹ مئی کو مل گی تھا۔ اس شمارے میں دی گئی مصرع طرح پر میں نے غزل بھیجی تھی۔ اس کے پہلے شمارے کی طرح پر بھی غزل ذرا تاخیر سے بھیجی تھی۔ تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک شادی میں شرکت کے لیے اجمیر سے ۸/مارچ کو امرت سر سے لاہور ہوتا ہوا حیدرآباد سندھ، پاکستان کے لیے روانہ ہوگیا تھا۔ ۱۰/مارچ کو وہاں پہنچا۔ شادی کی تقریب سے فارغ ہوکر ۲۲/مارچ کو وطن لوٹ آیا۔ اس لیے غزل بھیجنے میں تاخیر ہوئی تھی۔

اپنا اور ڈاکٹر شاہین افروز کا زرِ تعاون لفافے میں بھیج تھا۔ آپ سے التجا ہے کہ ان کے نام سے بھی رسالہ جاری کردیں۔ لفافے میں چار پانچ حمدیہ و نعتیہ کلام بھی رکھ دیے تھے۔ جولائی تا ستمبر کے شمارے میں صفحہ ۲۷/ پر میری جو غزل شامل ہے اس کے پہلے مصرع اور مقطع کے دوسرے مصرع کو ملا کر شایع کیا گیا ہے جبکہ اشعار اس طرح ہیں

کیا سیاست ہے بنا وہی امیرِ کارواں
جس کی گنتی قاتلوں میں دوستو اب تک رہی
جس جگہ جھکتے ہیں جن و ملک انساں وہاں
یہ جبینِ شوق اے تنویر نت مستک رہی

آپ سے گزارش ہے کہ ان اشعار کو دوبارہ شائع فرمادیں۔ ساتھ میں ایک مضمون ''میرا یادگار سفرنامہ'' برائے اشاعت ارسال ہے۔
(نوٹ:۔ اشعار میں غلطی کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔ درست اشعار یہاں شامل کرلیے گئے ہیں۔ موقع ملتے ہی سفرنامہ شاملِ اشاعت ہوگا۔ ڈاکٹر شاہین افروز کا نام درج رجسٹر کرلیا گیا ہے۔ رسالہ ان کے نام جاری رہے گا)

**☆ڈاکٹر ظہیر آفاق** (چنئی)

ادبی محاذ برائے جولائی تا ستمبر ملا۔ بے حد شکریہ۔ اس میں میرا افسانہ ''بھیگے اشکوں کی بازگشت'' شامل ہے۔ آپ کی اس کرم فرمائیوں کا بے حد شکرگزار ہوں اور ہمیشہ رہوں گا۔ ایک تازہ افسانہ ''بے موت کا عرق گداز'' اگلے شمارے کے لیے پیشِ خدمت ہے۔ اس افسانے میں تحقیقی گل افشانیوں کو روشناس کرایا ہے۔ جدت طرازی کی پیکر تراشی اس افسانے کا مرکزی پہلو ہے۔ پسند ہو تو اگلے شمارے میں شامل کرلیں نوازش ہوگی۔ میرے لائق کوئی خدمت؟ (نوٹ۔ اگلا شمارہ مکمل ہوچکا ہے)

**☆خادم رسول عینیؔ** (بھساول)

ادبی محاذ برائے جولائی تا ستمبر۲۲ء نظر نواز ہوا۔ شروع سے آخر تک رسالے کے پرکشش صفحات کا مطالعہ کیا۔ سارے مقالے اور کلام پسند آیے۔ ادبی محاذ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں مشمولات مختلف اصناف سے مزین ہوتے ہیں۔ کہیں افسانوں کی سنجیدگی ہے تو کہیں مزاح نگاری کا لطف، کہیں نثر کی تابانیاں ہیں تو کہیں نظم کی چمک اور دمک، کہیں حمد و نعت کی پاکیزگی ہے تو کہیں غزل اور نظم کی جلوہ گری، کہیں شعرا کے کلامِ باکمال ہیں تو کہیں نقادوں کے بے باک اور پرلطف تبصرے، کہیں ملک کے دانشوروں کی شان میں قصیدے ہیں تو کہیں بزرگانِ دین کی سیرت پر منقبت نگاری۔ ایسی اجتماعیت اور ایسا امتزاج ادبی محاذ کا طرۂ امتیاز ہے۔

اس میں منقبتوں کو شامل دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ محترم شفیق رائے پوری کی منقبت درشانِ حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ اور جناب محمد طفیل احمد حافظ کا منقبتی کلام درمدح حضرت امام احمد رضا خاں علیہ الرحمہ خوب سے خوب تر ہیں۔

ایک بار پھر سلیم انصاری صاحب کے نعتیہ کلام نے ہمیں متاثر کیا۔ آپ کے کلام میں ردیف ہے ''خاک'' اور ہر شعر میں ''خاک'' کی ایک مخصوص صفت کو تخیل کا جامہ بہت چابکدستی کے ساتھ پہنایا ہے۔ محترم سید نورالحسن نورؔ اور حمید عکسیؔ صاحب کی نعت کا مطلع محلِ نظر ہے۔ کیونکہ مطلع کے قوافی ہیں زحمت اور حکومت گویا تائے فوقانی حرفِ روی ہے اور میم ردیف ہے۔ لیکن کلام کے دیگر ابیات میں قوافی ہیں: عنایت، محبت، فطرت، قیادت، شریعت اور مدحت۔ اس طرح دیگر اشعار میں ردیف کا التزام برقرار نہیں رکھ گیا ہے۔

ایسی ہی خامی جناب اجمل محسن کی غزل میں بھی نظر آئی۔ ان کے کلام کے مطلع میں قوافی ہیں: حیران اور ویران مگر دیگر ابیات میں قوافی آیے ہیں: میدان، احسان، پریشان اور سمّان۔

بہرحال پروفیسر کرامت علی کرامتؔ صاحب کا مقالہ ''مشترکہ تہذیب اور اردو'' بہت ہی معلوماتی ہے۔ ڈاکٹر علی عباس امید کا مقالہ ''حرفے چند'' بھی بہت پسند آیا جس میں طنز و مزاح کے ساتھ ساتھ اہلیانِ اردو ادب کے لیے ایک اہم پیغام بھی ہے۔

اس قدر خوبصورت شمارہ شائع کرنے پر ڈھیر ساری تہنیتیں۔ اس میں میرا انٹرویو بھی شامل ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔

**☆محمد رضوان ندوی** (کٹیہار بہار)

ادبی محاذ کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ اس کے جملہ مشمولات قابلِ مطالعہ ہیں۔ آپ کی اور آپ کی پوری ٹیم کی محنتوں کا یہ ثمرہ ہے۔ یہ شمارہ مجھے رجسٹر ڈاک سے بھیجا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں سادہ ڈاک سے ہی بھیجیں۔ ایک غزل ارسالِ خدمت ہے۔ قریبی شمارے میں شامل کرکے ممنون فرمائیں۔ سید نفیس دسنوی صاحب اور عبدالمتین جامی صاحب کو ہدیۂ سلام پیش کردیں۔☆☆☆

# گوشۂ عزیز خاں عزیزؔ

## سوانحی اشارے

| | |
|---|---|
| موروثی نام | ؛عزیز خاں ابن سکندر خاں |
| تخلص | :عزیز خطاب :شاعرِ انجمن |
| جائے پیدائش | :شیگاؤں۔ضلع بلڈانہ(مہاراشٹر) |
| تاریخِ پیدائش | :یکم اپریل ۱۹۴۵ء |
| تعلیمی لیاقت | :میٹرک،ڈی ایڈ |
| پیشہ:موظف مدرس | تدریسی تجربہ:۳۲رسال |
| موجودہ عہدہ | :نائب صدر وارڈ شکشن سمیتی۔شیگاؤں |
| تصنیفات | :(ا)لفظوں کی مالا(نظموں اور گیتوں کا مجموعہ) مطبوعہ جنوری ۲۰۱۰ء |
| | :(۲)دھواں دھواں بدن(غزلیہ)اگست ۲۰۱۷ء |
| | :(۳)عکسِ حیات(غزلیہ)دسمبر ۲۰۲۱ء |

تعلیمی وادبی خدمات کے اعتراف میں اعزازات:۔

(۱)۵رستمبر ۲۰۰۴ء کو انجمن اردو ہائی اسکول شیگاؤں کی جانب سے سابق صدر مدرس الحاج عبدالباقی صاحب کے ہاتھوں اعزاز اور شاعرِ انجمن کا خطاب۔

(۲)۲۶رنومبر ۲۰۰۸ء کو ممبئی بم دھماکوں میں شہید پولیس افسران کے ۲۵ردسمبر ۲۰۰۸ء کو منعقدہ تعزیتی جلسے میں موصوف کے تعزیتی گیت سے متاثر ہوکر شری سمرتھ ناگری پت سنستھا شیگاؤں کی جانب سے سنستھا کے چئرمین شری ششی کانت گوٹے صاحب کے ہاتھوں اعزاز۔

(۳)۲۰رفروری ۲۰۰۹ء کو نگر پریشد شیگاؤں کے اسکولوں کے ثقافتی پروگرام میں نگر پریشد شکشن سمیتی کے ثقافتی پروگرام میں نگر پریشد شکشن سمیتی کی جانب سے صدر بلدیہ محترم شری پروشتم شیگوکار صاحب کے ہاتھوں اعزاز۔

(۴)تعلقہ روزگار حامی یوجنا کے صدر محترم کرن دیشمکھ صاحب کے یوم پیدائش کے موقع پر ۱۸راگست ۲۰۰۹ء کو منعقدہ کل ہند مشاعرے میں مشاعرہ انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے عزت مآب امان اللہ صاحب (سابق صدر بلدیہ جلگاؤں جامود) کے ہاتھوں اعزاز۔افسوس کہ گزشتہ ۱۳راپریل کو ان کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے رابطہ ان کے تلمذ حولدار سلیم الدین عامر کے ذیل کے پتے پر کر سکتے ہیں۔

رابطہ۔HawaldarSalimuddinAamir.Opp:Harlalka EnglishSchool.HasnaRoad.Azadnagar Shegaon-444203(M.S)

الحاج عزیز خاں عزیزؔ صاحب کا تعلق شیگاؤں مہاراشٹر سے ہے جس کو اردو شعر وادب کا ایک زرخیز خطہ مانا جاتا ہے۔درس وتدریس کا مقدس فریضہ انجام دیا اور اب فرائضِ منصبی سے سبکدوشی کے بعد زلفِ شاعری کی شانہ پذیری میں مصروف ہیں۔ان کا شعری سفر گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی سے جاری ہے اور کبرسنی کے باوجود ان کا اشہبِ قلم آج بھی رواں دواں ہے۔

اس دوران موصوف کے تین شعری مجموعے منظرِ عام پر آکر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔پہلا مجموعہ''لفظوں کی مالا'' مطبوعہ جنوری ۲۰۱۰ء طفلی نظموں پر مشتمل ہے۔دوسرا مجموعہ''دھواں دھواں بدن'غزلوں پر مشتمل ہے جبکہ تیسرے مجموعہ''عکسِ حیات''میں غزلیں،نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔

عزیزؔ صاحب کو یوں تو بیشتر اصنافِ سخن پر دسترس حاصل ہے لیکن بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر ہیں۔ان کی غزلیں روایت سے درایت تک سفر کرتے ہوئے عہدِ حاضر کا اشاریہ بن گئی ہیں۔ان غزلوں میں صالح فکری کے ساتھ ساتھ عصری حسیت بھی پائی جاتی ہے۔اس کے علاوہ معاشرتی ناہمواریوں پر بھی نشتر زنی کی گئی ہے۔مثلاً وہ کہتے ہیں:

اسے تمیز حلال وحرام کی ہے کہاں۔جو صبح وشام شریعت کی بات کرتا ہے

موصوف کا نام بھی اسم با مسمّٰی ہے۔اپنی سادگی،انکساری،شائستگی اور شیریں لہجے کے باعث وہ لوگوں میں نہ صرف ہر دلعزیز ہیں بلکہ قابلِ احترام بھی ہیں۔لوگوں کے دلوں پر راج کرنے کے ساتھ ساتھ اہلِ خانہ کے لیے بھی عزیز از جان ہیں۔

انھوں نے اب تک اردو بان وادب کی جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں اس کے اعتراف میں انھیں مختلف ادبی وثقافتی تنظیموں کی جانب سے اعزازات اور سندِ توصیف سے نوازا جاچکا ہے۔ان کے فن وشخصیت پر جن قلمکاروں کی نگارشات اس شمارے میں شامل ہیں ان کے مطالعہ سے عزیزؔ صاحب کی زندگی کے مختلف روشن پہلوؤں کی عکاسی ہوئی ہے۔ان سبھی قلمکاروں کی خدمت میں ادارہ کی جانب سے ہدیۂ تبریک پیش ہے۔موصوف کا یہ گوشہ ابھی زیر ترتیب تھا کہ یہ افسوس ناک خبر ملی کہ گزشتہ ۱۳راپریل ۲۰۲۲ء کو طویل علالت کے بعد موصوف اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے۔آمین

(ادارہ)

**ڈاکٹر رضاء الرحمٰن عاکف سنبھلی**
میاں سرائے، سنبھل (یوپی)

# عکس ہے یہ دوستو عکسِ حیات کا

شاعری انسان کے اظہارِ مافی الضمیر کا ایسا مؤثر ذریعہ ہے جس کا استعمال متمدن ومہذب دنیا ہمیشہ ہی کرتی رہی ہے۔ چونکہ شاعر معاشرۂ انسانی کا وہ فرد ہوتا ہے جس کو پورے سماج اور قوم و ملک کی نمائندگی کا فرض نبھانا پڑتا ہے۔اس لیے ایک کامیاب اور بہترین شاعر اسی کو قرار دیا جاسکتا ہے جس کے اندر ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی مکمل صلاحیت ہو۔اور وہ ان جملہ صفات سے متصف ہو۔اس وقت راقم الحروف کے پیشِ نظر ایسے ہی محاسن سے معمور اور انھیں اوصافِ حمیدہ کے مالک عزیز خاں عزیزؔ شیگانوی کا شعری مجموعہ ''عکسِ حیات'' ہے جس کا تعارف میرا مقصدِ تحریر ہے۔

شاعری چونکہ انسان کے مافی الضمیر کا آئینہ اور اس کے تخیلات کا مظہر صادق ہوا کرتی ہے۔اس لئے وہ اپنے اشعار کے توسط سے وہی کچھ پیش کرنے کی سعی و کوشش کیا کرتا ہے۔جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے۔اس کے تصورات الفاظ کا حسین پیکر بن کر صفحۂ قرطاس پر اتر آتے ہیں اور اشعار کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔جن سے اس کے مزاج ومزاق کو سمجھا جاسکتا ہے اور اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس ذہنیت ،سوچ اور طبیعت وشعور کا مالک ہے۔اسی اصول کے تحت اس وقت ہم عزیز شیگانوی صاحب کی شخصیت کو ان کے اشعار کے آئینے میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

انسان چونکہ اشرف المخلوقات اور شاعر اشرف الانسان ہے اس لئے اس پر بہت سی ذمہ داریاں عائد بھی ہوتی ہیں۔وہ بذاتِ خود اچھا انسان ،بہترین اخلاق کا مالک ،انسان دوستی کا حامل ،اخلاص وایثار کا پیکر اور امن وآشتی کا دلدادہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہی معاشرۂ انسانی کا ترجمان بھی ہوتا ہے۔اس لئے حقیقت کی ترجمانی، جذبۂ ایمانی اور غیرت وحمیّت کے ساتھ ہی اپنے عہد کے مسائل کو سمجھنے کا شعور اور ان کے تدارک کا جذبہ بھی موجود ہو۔اس سلسلے میں پہلے ہم عزیز صاحب کی شخصیت کو پرکھنے کی سعی کرتے ہیں اور اور دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کلام کے آئینے میں کس شخصیت کے حامل اور کن اوصاف کے مالک ہیں۔چنانچہ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم ان کے اخلاق پر نظر ڈالتے ہیں۔کیونکہ معلمِ اخلاق ،رحمتِ عالم حضرت محمد ﷺ کے ارشاد پاک کی روشنی میں ''سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہیں''۔رسولِ اکرم نورِ مجسم حضرت محمد ﷺ کے اسی فرمانِ مقدس کو

شخصیت میں اے عزیز اس کی نہیں آتا نکھار
آدمی اخلاق کے سانچے میں جو ڈھلتا نہیں

وہ بلندیٔ اخلاق اور کردار کی اثر اندازی کے پوری طرح قائل ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ کردار کی عظمت وہ کارگر نسخہ ہے جس کے ذریعے انسان دوسروں کو بھی اپنا مطیع وفرماں بردار بنا سکتا ہے۔اور دشمن کے دل میں بھی گھر بنا لیتا ہے۔ اس کا اظہار آپ کے اس شعر میں کتنی خوبصورتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

حسنِ سلوک کرکے رقیبوں کے ساتھ بھی
ہم نے مقام دل میں زمانے کے کرلیا

اللہ کی طرف سے انسان پر دو طرح کے فرائض عائد کیے گئے ہین۔ایک حقوق اللہ اور دوسرے حقوق العباد ہیں۔کچھ لوگ حقوق اللہ یعنی عبادتِ الٰہیہ میں اس درجہ منہمک اور مستغرق ہوجاتے ہیں کہ ان کو حقوق العباد کی پرواہ ہی نہیں رہتی۔اور بندگانِ خدا کے فرائض کی ادئیگی کا انھیں ہوش نہیں رہتا۔اس کا احساس آپ اپنے ایک شعر میں اس طرح کراتے ہیں:

دردمندوں کی بھی دل جوئی ضروری ہے عزیزؔ
بندگی کا مدعا بس سر جھکانا تو نہیں

دنیا کے اندر عزت، وقار اور ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لیے لوگ بہت کچھ کرتے ہیں، کچھ اس کے لیے پیسے خرچ کرتے ہیں تو کچھ خوشامد چاپلوسی سے کام لیتے ہیں۔غرض یہ کہ کسی نہ کسی طرح کی قربانی دینی ہی پرتی ہے۔مگر ایک شاعر کی نظر میں جو صحیح اور مؤثر ذریعہ ہوسکتا ہے، اس کو موصوف اشعار کے سانچے میں اس طرح ڈھالتے ہیں:

عزت ملے گی اس کو جہاں میں ہر اک جگہ
ملتا ہے جو سبھی سے بڑی عاجزی کے ساتھ
ہر دلِ عزیز بننا اگر چاہتے ہو تم ۔ حسنِ سلوک کرتے رہو ہر کسی کے ساتھ

اس شعر میں عزیزؔ صاحب نے اپنا تخلص جس خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے وہ قابلِ تعریف ہے۔یہاں اس کے دو پہلو ہوگئے ہیں اور ہر ایک پہلو اپنے اندر پوری معنویت اور حسن وکمال لیے ہویے ہے۔یہاں انھوں نے ''ہر دل عزیز'' لکھ کر اپنا تخلص بھی استعمال کر لیا اور شعر کا مفہوم بھی ادا کر دیا۔واقعی یہ ان کی قابلیت کے ساتھ ہی ذہانت کے برمحل استعمال کی غمازی بھی ہے۔آپ کا یہ حسنِ الفاظ دیگر

اور جگہ بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔عزیزؔ صاحب چونکہ دیندار ذہنیت کے حامل اور مذہبی قدروں کے سچے امین ہیں اس لیے ان کے کلام میں ایسے ہی حقائق کی ترجمانی دیکھنے کو ملتی ہے۔ان کے نزدیک مال ودولت کی ایمان کے مقابلے میں کوئی وقعت و حیثیت ہی نہیں۔اور بڑی سے بڑی دولت بھی ایمانی سرمایے کے آگے ہیچ ہے۔ اس کا اعتراف وہ اپنے شعر میں اس طرح کرتے ہیں:

دولت ملے تو خوب ہے لیکن مرے عزیزؔ
ایماں ہے جس کے پاس وہی مالدار ہے

واضح رہے کہ آپ مال اور روپے کی اہمیت کے منکر نہیں ہیں۔مگر یہ تبھی بہتر ہیں جب ان کے ساتھ انسان کے پاس دولتِ ایمانی بھی ہو۔ان کے نزدیک دنیاوی مراتب محض انسان کی زندگی تک ہیں۔لیکن آخرت میں جو چیز کام آئے گی وہ انسان کے اعمال ہی ہیں۔اس حقیقت کا خوبصورت اظہار آپ کے یہاں اس طرح دیکھنے کو ملتا ہے:

وہاں حسب نہیں اعمال دیکھے جائیں گے۔عزیزؔ چلتا ہے بس خاص وعام دنیا میں

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کردار بنانا بہت مشکل ہے یعنی انسان پند ونصائح کی باتیں،دین وایمان کے دعوے تو بڑے پیمانے پر کرتا ہے۔مگر عملی کسوٹی پر بہت کم ہی لوگ اترا کرتے ہیں۔کیونکہ یہ بڑا مشکل کام ہے۔اس کے لیے بڑی قربانیاں دینی ہوتی ہیں مقامی اعتبار سے کچھ نقصانات بھی اٹھانے پڑتے ہیں جب کہ محض باتیں بنانے میں کچھ کرنا ہی نہیں پڑتا۔اس لئے کردار سازی بہت مشکل کام ہے۔اور دیکھنے میں تو یہاں تک آتا ہے جو لوگ دین کا ڈنکا زیادہ پیٹتے ہیں اور شریعت کا حوالہ زیادہ دیتے ہیں۔عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس میدان میں کورے نظر آتے ہیں۔اس حقیقت کا اعتراف آپ کے اس شعر میں دیکھیں۔

اسے تمیز حلال وحرام کی ہے کہاں۔جو صبح وشام شریعت کی بات کرتا ہے

وہ محض دعوے کے ہی قائل نہیں بلکہ عملی جدوجہد کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامیابی کا دارومدار صرف منصوبوں اور پلاننگ میں نہیں بلکہ اس کے لئے انسان کو عملی طور پر میدان میں اترنا پڑے گا۔جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

منصوبے بنانے سے کبھی کچھ نہ ملے گا۔تدبیر میں ہی قوم کی تقدیر نہاں ہے

جن لوگوں کے اندر محض دعوے ہوں اور عملی اعتبار سے خالی ہوں انہیں آپ کاغذی پھولوں کا نام دیتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو لوگ اس طرح کے کردار کے حامل ہوتے ہیں ان میں کردار کی رعنائیاں اور خلوص ومحبت خوشبوئیں کہاں سے آئیں گی تبھی تو آپ کہتے ہیں۔

کاغذی پھول کے ہیں گلدستے۔خوشبو ان میں کہاں سے آئے گی

آج کے مادی دور میں جس طرح انسان اپنی قدروں کو بھولا ہے اور اس نے اپنے بزرگوں کے کردار کو فراموش کیا ہے۔وہ عصرِ حاضر کا شدید المیہ ہے۔ اور ایک کامیاب شاعر وہی ہوا کرتا ہے جو ان سانحات والمیوں کو قلم زد کرتا چلے۔ جن پر قوموں کی ترقی اور ملت کے استحکام کا دارومدار ہوا کرتا ہے۔عزیزؔ صاحب بھی چونکہ ملی شاعر ہیں اور ان کے اندر قوم وملت کا درد ہے وہ اپنی جماعت کو پوری طرح کامیاب وکامران دیکھنا چاہتے ہیں۔آج ملت اسلامیہ کی جو حالت ہے اس کے لیے وہ پوری طرح رہبرانِ ملت خو کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ اگر رہبرانِ قوم اپنا فرض نبھاتے اور ملت کی پوری طرح رہنمائی کرتے تو مسلمانوں کی یہ حالت نہ ہوتی اور وہ اس درجہ زبوں حالی کا شکار نہ ہوتے۔اس سلسلہ میں ان کا کہنا ہے:

قوم بربادی کی چوکھٹ پہ کھڑی ہے اے عزیزؔ
پھر بھی غفلت میں مری قوم کے رہبر کیوں ہیں؟

اس طرح کا تصور ان اشعار میں بھی دیکھا جاسکتا ہے:

یہ المیہ ہے کسی سمت نظر آتے نہیں۔عالمِ دیں کو تباہی سے بچانے والے
ایسا لگتا ہے کہ قبروں میں کہیں سوئے ہیں۔خوابِ غفلت سے مسلماں کو جگانے والے

انسانوں کی خدمت، مخلوقِ خدا کی دیکھ بھال، قوم وملت کی رہنمائی اور ملک وقانون کے استحکام کی فکر یوں تو سبھی پر ضروری اور لازم ہے مگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے اور کتاب وسنت کے امین ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر اس کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ساتھ ہی استحکامِ وطن، قانون کے نفاذ اور امن وآشتی کو قائم رکھنا ہمارا دینی وملی فریضہ ہے۔کتابِ ہدایت قرآن کریم کی تعلیمات اور رسولِ رحمت حضرت محمد صلی اللہ وعلیہ وسلم کی سیرتِ مقدسہ کی روشنی میں تو انسان کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ خود بھی اچھے اور پاکیزہ عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان کی ترغیب دلاتا رہے۔اس سلسلے میں عزیزؔ صاحب اپنے درج ذیل قطعہ کے ذریعہ اپنے قارئین کو یہ دعوت دیتے ہیں:

ہم ہیں سرکارِ دوجہاں والے۔یعنی عزت مآب والے ہیں
دعوتِ امن دیں گے دنیا کو۔ہم مقدس کتاب والے ہیں

قادرِ مطلق اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو کتابِ ہدایت عطا کر کے ان پر بہت بڑی ذمہ داری عائد کردی ہے۔یہ وہی کتاب اور اس کا فریضہ تبلیغ ہی تو تھا جس کے احساس نے ہی پہلی وحی کے موقع پر اللہ کے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فکر وگھبراہٹ سے ہم کنار کردیا تھا۔اور اسی کو تو سوچ سوچ کر آپ گھبرا گئے تھے۔ اور شدتِ احساس سے آپ پسینے پسینے ہوگئے۔جاڑے نے آپ کو آدبوچا تھا۔آپ ''زمّلونی زمّلونی'' کہتے ہوئے بی بی خدیجہ سے کمبل اڑھانے کی فرمائش کرتے ہوئے گھر میں داخل ہوئے تھے۔اسی احساس کو عزیزؔ صاحب اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔

سطور بالا میں ہم نے رہبرانِ قوم کے تعلق سے عزیز صاحب کی فکر کا ذکر کیا ہے۔آپ چونکہ حقیقت بیاں شاعر ہیں۔کسی بات کے ایک ایک ہی پہلو کو

نہیں دیکھتے بلکہ اس کے عوامل وعواقب پر بھی نظر رکھتے ہیں ۔اسی وجہ سے جہاں آپ نے رہبرانِ قوم سے شکایت کی ہے وہیں آپ قوم کی اس کمی کو بھی اجاگر کرتے ہیں ۔جس کے مطابق اب ان کی عوام اپنے رہبروں کی تقلید کرنے سے بچتی ہے اوران کی قیادت کا انکار کرتی ہے۔ایسی قوم کے انجام کے بارے میں وہ ایک مثال دے کر کچھ اس طرح سمجھاتے ہیں۔

وہ جنگ کے میدان میں ہوجاتی ہے پسپا
جوفوج نہیں چلتی ہے سردار کے پیچھے

اس وقت زمانے کے تغیرات اور مادی غلبے نے انسانوں کی جو حالت کردی ہے اس سے آپ رنجیدہ ہیں اور آپ ظاہری چمک دمک کے آگے انسانی قدروں، ایمانی جرأت اور اخلاق وکردار کے فقدان کا گلہ کرتے ہیں ۔اور سمجھتے ہیں کہ موجودہ دور میں انسان اخلاقی محاسن اور کردار کی عظمتوں سے پوری طرح محروم ہوگیا ہے۔اسی لئے تو آج عمل کہیں نظر نہیں آتا بلکہ ایک طرح سے یہ کتابی باتیں لگتی ہیں۔اس تعلق سے ملاحظہ کیجئے۔آج کا یہ خوبصورت مگر نہایت سبق آمیز شعر۔

چاہت کی بوہوس کے سمندر میں بہہ گئی
الفت کی داستان کتابوں میں رہ گئی

اگر چہ اس وقت دنیا کے حالات کچھ ایسے ہیں اوراس کا شکوہ موصوف نے بھی اپنے اشعار میں کرتے رہے ہیں ۔مگر دنیا کے موجودہ حالات کی عکاسی وہ اپنے اشعار میں اس طرح بھی کرتے نظر آتے ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ اس وقت انسانوں کے دل سے محبت ومروت سبھی کچھ نکل چکے ہیں اور وہ انسانی ہمدردیوں سے محروم محض گوشت پوست کا ایک لوتھڑا نظر آتا ہے، وہ کہتے ہیں۔

سبھی لوگ بستی میں اپنے ہیں لیکن
کسی کے بھی دل میں مروت نہیں ہے

اسی طرح کے تکلیف دہ حقائق ان کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں۔

آگ کچھ ایسی لگی اب کے برس گاؤں میں
کہ مکانوں سے نہیں دل سے دھواں اٹھنے لگا
زہر گھولا گیا نفرت کا ہوا میں ایسے
زندگی بخش فضاؤں میں بھی دم گھٹنے لگا

انصاف پسند دنیا کے اندر ہمیشہ ہی یہ اصول وقاعدہ رہا ہے کہ انسان کو اس کی صلاحیت، تعلیم اور لیاقت وذہانت کی بنیاد پر منصب وعہدے دیے جائیں۔ اوران کے کام کے عمل پر ہی ان لوگوں کو مراعات وترقیاں دی جائیں مگر معاشرہ جب تعصب کا شکار ہوجائے اور قوم کے اندر جانبداری کے رجحانات پیدا ہوجائیں تو پھر اس کے برعکس ہونے لگتا ہے اور افراد کو مندرجہ بالا اوصاف کی بنیاد پر نہیں بلکہ کچھ اور مخصوص وغیر اصولی بنیادوں پر مقام ومنصب دیے جانے لگتے ہیں۔دراصل یہ ایک المیہ ہوتا ہے اوراس سے قوموں اور ملکوں کا انحطاط وزوال شروع ہوجاتا ہے۔ایسے ہی حالات آج کل دنیا کے بہت سارے ملکوں کے نظر آتے ہیں ۔اسی مذموم صورت حال کی عکاسی آپ کے درج ذیل شعر میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جس میں آپ انصاف پسند دنیا سے سوال کرتے ہوئے گویا ہیں۔

صورتیں دیکھ کے جب عدل کیا جاتا نہیں
بے گنہ لوگ حوالات کے اندر کیوں ہیں

ہمارے معاشرہ کا ایک بڑا حصہ خواتین پر مشتمل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک ان کے حقوق ادا نہ کئے جائیں۔ان کا خیال نہ رکھا جائے۔ان کو برابر کے حصے نہ دئے جائیں گے تب تک ہمارا معاشرہ استحکام حاصل نہیں کرسکتا ہے۔اسلئے مردوں کے لیے ضروری ہے کہ عورتوں کے حقوق ادا کیے جائیں ۔مگر افسوس !ایسا نہیں ہوتا۔اور آج تو ہمارے سماج میں عورتوں کی حالت اس درجہ دگرگوں اور ناگفتہ بہ ہے کہ اس بیچاری کو کمزور سے کمزور تر بنا دیا گیا ہے اور سماج میں کچھ ایسی خرابیاں درآئی ہیں جن کی بنیاد پر عورت ایک بوجھ محسوس کی جانے لگی ہے۔اور جس گھر میں بھی لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے وہ گھر غم والم میں ڈوب جاتا ہے۔اوراس لڑکی کی وجہ سے مستقبل میں آنے والے شادی کے مسائل ومشکلات ان لوگوں کو فکر والم میں مبتلا کر دیتے ہیں اس کیفیت کی عکاسی عزیز صاحب کے درج ذیل شعر میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

کسی غریب کی بیٹی پہ کیا شباب آیا۔شباب آیا نہیں بلکہ اک عذاب آیا
سکونِ قلب سے محروم ہوگئے ماں باپ۔ یہ ان کے واسطے موسم بڑا خراب آیا

عزیز صاحب عورت کے حقوق کے تو قائل ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مردوں کوان کا احترام کرنا چاہیئے ۔مگر اس کے ساتھ ہی خود ہماری خواتین کو بھی چاہیئے کہ وہ اسلامی احکامات کی پاسداری کریں۔مشرقی قدروں کو اپنائیں اور خود کو معاشرے کی تعمیر وترقی کے لئے وقف کردیں۔آپ کے نزدیک عورت کی زینت ،عزت ووقار اور آبرو اسی میں ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کو اپنائے ۔مشرقی اقدار کی پابندی کرے اور انہی کے مطابق زندگی گزارے اس کا درس ان کے بہت سے اشعار وقطعات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ایسا ہی ایک قطعہ ملاحظہ فرمائیں۔

شرم وحیا کی خوش نما مورت بنی رہے۔عورت کو چاہیئے کہ وہ عورت بنی رہے
عزت پہ اس کی حرف نہ آئے گا عمر بھر۔ بے شرط اپنے گھر کی وہ زینت بنی رہے

اسی طرح کی فکر اس شعر میں بھی جھلکتی ہے۔

مشرقی تہذیب کی اک بولتی تصویر ہے
باحیا شرمیلی لڑکی قوم کی تقدیر ہے

ہر چند کہ ماحول خراب ہے، معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔اور حالات ناگفتہ با ہیں۔جن کا شکوہ ہر دردمند کرتا ہوا نظر آتا ہے☆☆☆

**پروفیسرڈاکٹرمحمدسعداللہ(ریٹائرڈریڈر)**
چئرمین بورڈآف اسٹڈیزان اردو۔امراؤتی یونیورسٹی

# عکاسِ عصروشاعرِفطرت:عزیزخاں عزیزشیگانوی

سرزمینِ ہند کے جنوبی حصے میں ایک مخصوص خطۂ زمین ''برار'' کے نام سے موسوم ہے۔یہ ایک نہایت قدیم علاقہ ہے جس کا ذکر ہندو مذہبی کتب ،پوران اور رامائن مہا بھارت میں ملتا ہے۔اور عہد اشوک سے اس کی تاریخی حیثیت بھی اہم رہی ہے۔عصرِ حاضر میں ''برار'' ریاست مہاراشٹر کے ودربھ ڈویزن کا حصہ ہے اور پانچ اضلاع پر مشتمل ہے۔اردو زبان وادب کے لحاظ سے برار کی یہ اہمیت رہی ہے کہ اردو کے قدم جنوبی ہند میں سب سے پہلے اسی سرزمین پر پڑے۔۱۲۹۴ء میں علاء الدین خلجی کے حملۂ دیوگری کے وقت اس کے سپہ سالار ملک کافور کے دیوگری کو سلطنت دہلی میں شامل کر لینے اور ۱۳۲۸ء میں تغلق کے دیوگری کا نام دولت آباد رکھ کر دارالسلطنت بنانے اور دہلی کے لوگوں کو وہاں جا بسنے کا حکم دینے کے ساتھ ہی شمالی ہند کے لوگوں کے ساتھ دہلی میں نشو ونما پاتی نو خیز زبان ہندوی (دہلوی اردو ابتدائی شکل) اس سرزمین پر وارد ہو کر مروج ہونے لگی۔۱۳۴۷ء میں بہمنی سلطنت کے قیام کے بعد ہندوی نے مقامی اثرات سے مملو ہو کر دکنی کی شکل اختیار کی تو سلطنت بہمنیہ کے دوسرے صوبوں کی طرح اس کے صوبہ برار میں بھی یہ زبان مروج ہوگئی۔اور پھر عماد شاہی ،نظام شاہی' مغل شاہی' آصفیہ' انگلشیہ ادوار میں اس زبان اور اس کے ادب کا ارتقا یہاں تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔اور آزادی کے بعد ریاست مہاراشٹر کے قیام اور اس میں شمولیت کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا۔برار کے طول وعرض میں اردو زبان' تعلیم ،ادب،شاعری اور نثر نگاری مروج ہے۔

برار میں ادبیات کا آغاز شاعری سے ہوتا ہے۔خواجہ دہدار فانی (۱۵۴۶ء سے ۱۶۰۷ء) سے لے کر موجودہ شعرائے برار تک برار کے مختلف علاقوں' شہروں میں شعر وشاعری ایک زندہ جاری وساری عمل ہے۔برار کے پانچ اضلاع آکولہ امراوتی' ایوت محل' باسم اور بلڈانہ میں بھی اردو زبان' ادب' شاعری' تعلیم کی ترویج وترقی کا عمل جاری ہے۔ضلع بلڈانہ مرٹھواڑہ اور اورنگ آباد و خاندیش کے علاقوں کے پڑوس میں ہے جو اردو زبان وادب کے لحاظ سے کافی اہمیت کے حامل ہیں۔بلڈانہ ضلع کے کئی مقامات اردو تعلیم ،ادب،شاعری اور نثر کی ترویج وترقی کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں۔انھیں میں ایک مشہور شہر شیگاؤں بھی ہے جسے تاریخی اہمیت بھی حاصل ہے۔اور دورِ حاضر میں مذہبی تقدس بھی حاصل ہے۔اس شہر میں آزادی سے قبل اردو شعر وسخن کا کم وبیش چرچا ملتا ہے۔لیکن آزادی کے بعد یہاں شعرائے اردو کی نئی نسل ابھری جس نے اردو شعر وادب کے ارتقاء میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا۔

موجودہ شعرائے شیگاؤں میں ایک منفرد ونمایاں نام عزیز خاں عزیزؔ شیگانوی کا ہے جو ایک خوش گو،خوش فکر،سماجی شعور اور عصری حسیت کے حامل شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے ہیں۔انسان عقل وشعور سے متصف اور احساس وجذبات سے مزین ایک مخلوق ہے۔اپنے ہم جنسوں کے ساتھ سماج میں زندگی بسر کرتا ہے۔جب سماج کی باشعور شخصیات زندگی کے داخلی اور خارجی حالات پر اس کے امور ومسائل پر اپنے جذبات،خیالات،تاثرات کو موزوں وپُر اثر اور پُر لے وآہنگ الفاظ میں بیان کرتے ہیں تو شعر وجود میں آتا ہے۔

ضبطِ تحریر میں آجانے کے بعد یہ کلام ادب کا شعبۂ نظم یا شاعری بن جاتا ہے۔علما نے انسانی معاشرے میں اپنے جذبات کو موزوں وپُر اثر طریقے سے گا کر بیان کرنے کے عمل کو نہایت قدیم بتایا ہے۔دنیا کی مختلف زبانوں میں شاعری ایک اہم چیز مانی گئی ہے۔اظہارِ جذبات ایک انسانی عمل ہے۔لیکن ہر انسان نہ تو موزوں ومترنم و پر اثر الفاظ وبیان کے ذریعہ اظہارِ خیالات وجذبات کر سکتا ہے نہ شاعر بن سکتا ہے۔دراصل شاعری ایک عطیۂ خداوندی ہے جسے قدرت مخصوص لوگوں کو ودیعت کرتی ہے۔شاعر بنتا نہیں پیدا ہوتا ہے۔شاعری کو ہمارے بزرگوں نے جزویست از پیغمبری کہا ہے۔اور شاعر کو تلمیذ الرحمٰن (ایسا شاعر جو کسی کا شاگرد نہیں ہے اسے تلمیذ الرحمٰن کہا جاتا ہے) شاعر اور شعر کی اہمیت مسلم ہے۔عزیز خاں عزیزؔ کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قدرت نے ملکۂ سخن گوئی اور ذوقِ شعر وشاعری ان کی فطرت میں رکھا ہے۔وہ اکتسابی نہیں وہبی شاعر کہے جا سکتے ہیں۔جو محض اپنے فطری رجحان اور ذوق وشوق کے باعث اپنے خیالات،جذبات اور تاثرات کو شعر کی شکل میں پیش کر رہا ہے۔نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا۔

ان کی شاعری کا آغاز آزادی کے بعد ہوا۔ان کا سرمایۂ شاعری

فی الحال دو مجموعوں پر مشتمل ہے۔ان کی نظموں اور گیتوں کا پہلا مجموعہ ''لفظوں کی مالا'' ۲۰۱۰ء منصۂ شہود پر آیا۔ یہ نظمیں اور گیت مختلف مواقع و تقاریب وغیرہ کے سلسلے میں بچوں کے لئے کہے گئے تھے۔ان میں شاعر نے یہ جدت کی ہے کہ ان کو کسی مشہور فلمی گیت کی طرز پر، بحر و وزن و آہنگ میں لکھا اور اس کی نشان دہی بھی کردی تاکہ ان کو غنائی انداز میں گا کر بھی پیش کیا جا سکے۔ یہ تمام نظمیں تعلیمی و تربیتی مقاصد کے لحاظ سے اہم اور سبق آموز ہیں۔ان پر عہدِ حاضر کی کئی مقتدر ادبی ،سماجی ہستیوں جیسے محترم سبحان انجم (مشہور ماہر عروض) ڈاکٹر محبوب راہی (مقتدر و مشہور شاعر ادیب، محقق و نقاد وغیرہ) جناب عبدالکریم سالار (جلگاؤں کے مشہور سماجی ،تعلیمی و سیاسی رہنما) ڈاکٹر ایم آئی ساجد (شاعر و ادیب) انوار احمد خاں (پروفیسر، محقق، نقاد، ادیب) وغیرہ نے توصیفی اظہارِ رائے کر کے ان نظموں کی خصوصیات وقدر و قیمت اور اہمیت کو واضح کیا ہے۔

عزیز شیداگانوی کا دوسرا مجموعہ کلام ''دھواں دھواں بدن'' ہے۔یہ ان کا مجموعہ غزلیات ہے ۔سبحان انجم نے ان کو غزل کا شاعر کہا ہے۔ جو بعض اوقات گیت یا نظم بھی کہہ دیتے ہیں۔ان کا صحیفہ کمال غزل ہی ہے۔اس مجموعہ میں حمد و نعت کے بعد تقریباً ۹۳ غزلیات ہیں،ان کو ردیف وار (بلحاظ حروف تہجی) درج نہیں کیا گیا ہے۔کوئی غزل الف کی ہے،کوئی غزل بے کی کوئی نون کی کوئی واؤ کی۔ان غزلیات کی بحور مختلف ہیں۔کوئی چھوٹی بحر کی ہے کوئی طویل بحر کی۔

عزیز کی غزل اردو غزل کے رنگ و آہنگ، زبان و بیان، فکر و فن، موضوعات اور طرزِ بیان کے عین مطابق ہے۔غزل کے فن کے مطابق ان کی غزل کے ہر شعر کا موضوع الگ اور مکمل ہے۔ان کے یہاں مسلسل موضوع کی غزل نہیں ملتی ۔انھوں نے اپنی غزل کے مختلف اشعار میں مختلف موضوعات بیان کیے ہیں۔ان میں غزل کے روایتی موضوعات، عشق و محبت، جذبات نگاری، داخلی کیفیات و خارجی تاثرات وغیرہ پیش کیے ہیں۔لیکن ان کی غزل کی ایک نمایاں خصوصیت عکاسی و ترجمانی حیات نظر آتی ہے۔جس کی طرف ان کی شاعری کا جائزہ لینے والوں کا شاید کم ہی دھیان گیا ہے۔غزل اردو شاعری کی آبرو مانی گئی ہے اور عکاس و ترجمانِ جذبات و احساسات کہی جاتی ہے۔لیکن انسانی جذبات و خیالات خلا میں پیدا نہیں ہوتے۔انسانی زندگی زماں و مکاں، عہد و ماحول، سماج و معاشرہ کی تابع ہوتی ہے۔انسان جس عہد اور ماحول میں زندگی بسر کرتا ہے اس سے تاثرات و جذبات و خیالات حاصل کرتا ہے۔اس لیے زندگی کی باتوں کا اظہار بھی زندگی، سماج، عہد و ماحول اور معاشرے سے بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ ہر ادب نثر و شعر میں زندگی کسی نہ کسی شکل میں ضرور منعکس ہوتی ہے۔عزیز کی غزلیہ شاعری میں زندگی کے مختلف پہلوؤں، امور و مسائل کی عکاسی و ترجمانی ان کے داخلی جذبات و تاثرات کے اظہار کی شکل میں بھی ملتی ہے اور خارجی زندگی کے پہلوؤں، امور و مسائل کے تاثرات کی شکل میں بھی اور یہ سب غزل کی زبان میں ہے۔عزیز کی غزلیہ شاعری کا جائزہ مختلف حضرات نے اپنے اپنے انداز میں لیا ہے اور ان کی شاعری کی فکری و فنی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ ہماری نظر میں ان کی غزلیہ شاعری کا جائزہ ایک اور پہلو یعنی عصری، سماجی، معاشرتی زندگی کی عکاسی و ترجمانی کے لحاظ سے لیا جائے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ شاعرِ حیات ہیں۔ اور صرف عشق و عاشقی، لفظی بازی گری کے روایتی انداز کے شاعر نہیں ہیں بلکہ ان کی شاعری میں سماجی شعور اور عصری حسیت بھی ہے۔وہ اپنے عہد، ماحول و معاشرہ کی زندگی کا مشاہدہ کر کے اس کی خرابیوں، برائیوں اور مضر باتوں کا احساس کر کے ان کی عکاسی اس انداز میں کرتے ہیں کہ ان کی جانب معاشرہ کی توجہ مبذول ہو جاتی ہے۔اور وہ زندگی کی اصلاح، فلاح و بہبود کی جانب مائل ہو سکتا ہے۔اپنے سماجی و معاشرتی زندگی کے امور و مسائل کی عکاسی و ترجمانی عزیز نے بطور پروپگنڈہ کھلے انداز میں مربوط و مسلسل شکل میں نہ کر کے غزل کے خوشنما، دلکش ملفوف میں کی ہے۔یہی ان کا کمال ہے۔

دورِ حاضر میں انسانی زندگی کی کیا حالت و کیفیت ہے، اس سے ہر صاحبِ شعور واقف ہے۔ آج اگر ہم عالمی و ملکی زندگی، عہد و ماحول، سماجی و معاشرتی زندگی کے پہلوؤں، سرگرمیوں اور رویوں پر غور کریں تو زندگی ایک ڈراؤنا خواب سی لگتی ہے۔سماج، معاشرہ، افراد بے شمار سیاسی، سماجی، معاشرتی خرابیوں، پریشانیوں اور مصائب کا شکار ہیں، امن و سکون مفقود ہے، خوف و دہشت اور ناروا داری کا ماحول ہے، فتنہ فساد، قتل و غارت، جنسی زیادتیاں عام ہیں۔ مذہبی، ذاتی، معاشرتی، سیاسی، لسانی، علاقائی، علمی، تعلیمی تعصب و ناانصافی عام ہے۔رشوت خوری اور مہنگائی، غنڈہ گردی اور غلط رویوں نے انسانی زندگی کو پریشان کر رکھا ہے۔ایسے حالات میں اگر کوئی باشعور، ہمدرد بنی نوع انسان صرف چین کی بانسری بجائے، صرف عشق و عاشقی، رند و سرمستی کی فرضی و خیالی باتیں بیان کرے تو کسی کی نظر میں وہ بھلے ہی لہجے کا شاعر، شاعرِ حسن و عشق، شاعرِ شباب وغیرہ ہو جائے لیکن ہماری نظر میں وہ زندگی کا شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ زندگی سے سروکار نہیں رکھتا۔عزیز کے کلام میں زندگی (Life) اور سماجیت (Sociality) کا عنصر کافی ہے۔انھوں نے جن ہم عصر سماجی زندگی کے پہلوؤں، امور و مسائل کی عکاسی غزل کی زبان اور اسلوب میں کی ہے ان کو چند مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔

دورِ حاضر میں فطرت جس طرح تبدیل ہو رہی ہے اور زندگی کو مشکلات کا شکار بنا رہی ہے اسے شاعر اس طرح بیان کرتا ہے:

موسم بھی کتنا تنگ نظر لگ رہا ہے آج۔ برسات ہو رہے ہے مگر چار سو کہاں
بادل برس رہے ہیں پہاڑوں پہ ان دنوں۔ شہروں کی تشنگی کو بجھایا نہ جائے گا
سورج ہوا غروب چلو دور شہر سے۔ منظر سیاہ رات کا دیکھا نہ جائے گا

حالات کی زبوں حالی،ماحول کی دہشت زدگی کا ذکر اکثر اشعار میں نظر آتا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

کبھی خود سے کبھی حالات سے ڈرلگتا ہے
ان بدلتے ہوئے دن رات سے ڈرلگتا ہے

ہرگھڑی خوف و بےقراری ہے۔وقت انساں پہ کتنا بھاری ہے
آدمی زیست کا پجاری ہے۔پھربھی شکوہ ہے آہ وزاری ہے
لاش اپنی ہے اپنے کاندھے پر۔آدمی بھی عجب سواری ہے
مات کھائی نہیں اجل سے عزیز۔زندگی سے ہاری ہے

دنیا میں آدمی کو کہاں اطمینان ہے
اک امتحاں کے بعد بھی اک امتحان ہے

مساوات کی کثرت پر،تباہی پر بھی کئی اشعار کہے ہیں:

سکون وامن کی تحریک جن کے دم سے تھی۔وہی فساد کے خوگر دکھائی دیتے ہیں
جوہم سے دیکھے نہیں جاتے قتل گاہوں میں۔گلی گلی میں وہ منظر دکھائی دیتے ہیں
ہمارے بچوں پر کچھ اس قدر خوف طاری ہے۔کہ روز خواب میں خنجر دکھائی دیتے ہیں
یہ قتل وخوں کے منظر دل سوز وروح فرسا۔جذبات میں ہمارے ہلچل مچارہے ہیں
امن وسلامتی کے پیغمبروں کو یارو۔حالات آج کل کے باغی بنارہے ہیں
فسادوالے نہیں،ہم توامن والے ہیں۔ہمیں تو آتا نہیں آگ کو ہوا دینا

دورِحاضر میں صاحبِ اقتدار لوگوں اور حکومت کے کارندوں کے ظلم و ستم،ناانصافی کی جانب بھی انھوں نے اشارہ کیا ہے:

جو تھی کل کلی وہ ہے آج گل،جو ہے آج گل وہ ہے دھول کل
کبھی حسن پہ نہ غرور کر ترا حسن مثلِ حباب ہے
(یہاں حسن سے اگر حکومت مراد لیں تو کیا حرج ہے؟)

دنیا والوں کو ذرا کر نا خبر دار عزیزؔ
اوج کا پہنے حسیں جامہ زوال آتا ہے
(سچ ہے ہراوجے رازوال است)

دورِحاضر میں سیاسی رہنما جس طرح کی حرکتیں کررہے ہیں،قلابازیاں کھارہے ہیں،یہ بھی عزیزؔ کی شاعری کا موضوع ہے۔دل بدل کرنے والے آیارام گیا رام کی کثرت پر انھوں نے تیکھے انداز میں طنز کیا ہے:

ممکن ہے اقتدار نکل جایے ہاتھ سے
ہم نے سنا ہے لوگ اِدھر کے اُدھر گئے

سیاسی حالات،خرابیاں،لیڈروں کی بدعنوانیاں وغیرہ کئی اشعار کا موضوع ہیں:

کوئی تو ہوگی وجہ جو آج کل تم کو ندیم
دشمنی بھاتی ہے لیکن دوستی بھاتی نہیں

میں کچھ بھی نہین دیکھوں بہتر ہے عزیزؔ اس سے
دربارِسیاست میں جھکتے ہویے سر دیکھوں

اپنی صفوں سے آپ منافق نکال دیں
قدموں میں گر پڑے گی حکومت جہان کی

سلسلہ ظلم کا رہے جاری۔ہم نے سینے پہ رکھ لیا پتھر
وطن میں اتنی تو حرمت ہماری باقی ہے
ہماری قبر پہ صندل چڑھایے جاتے ہیں
بسا بسا کے محلے اٹھایے جاتے ہیں
بنابنا کے یوں نقشے مٹایے جاتے ہیں

معاشرتی خرابیوں اور مصائب،امور ومسائل پر کئی اشعار میں اظہارِ خیال ہے:

کم ہو گیا جہان میں سامانِ زندگی۔سانسیں بھٹک رہی ہیں ہوا کی تلاش میں
بڑھتا ہی جارہا ہے سوالات کا ہجوم۔دیوانہ کرگیا مجھے حالات کا ہجوم
کبھی تخت ہے کبھی خاک ہے،یہی زندگی کبھی خواب ہے
یہاں کوئی شے نہیں معتبر،یہ جہان ایک سراب ہے
کتنا قابل تھا آدمی لیکن۔حل ضروری سوال کر نہ سکا

اولاد کی پرورش،تعلیم وتربیت کے مسائل،بیٹیوں کی شادی کے مسائل ایک عالم کو پریشان کیے ہویے ہیں۔زندگی کا یہ مسئلہ بھی عزیزؔ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا۔

سر پر ضرورتوں کا اٹھایے ہویے ہے بوجھ
بوڑھے کی بدنصیبی کہ بیٹا جوان ہے

ہمارے ملک میں بیٹی کی پیدائش روکنے کی مذموم کوشش نے عزیزؔ کو عرب میں دورِجہالت کی دختر کشی کے رواج کی یاددلا دی:

دکھائی دیتی تھیں منحوس بیٹیاں مولا
ہمیں نہ ویسا جہالت کا سلسلہ دینا

گھر گھر میں پھیلے نفاق پر عزیزؔ کہتے ہیں:

لے آیا اک مقام پہ حالات نے ہمیں۔پردشمنی ہمارے ابھی درمیان ہے
تو بھی ٹھنڈے دل سے ذرا غور کر اے دوست
میدانِ جنگ کی طرح یہ گھر کبھی نہ تھا

آج کل کی بڑھتی ہوئی مہنگائی پر بھی ان کی نظر ہے وہ کہتے ہیں:۔

مہنگائی کا عذاب تو گھر گھر کبھی نہ تھا
برپا اسی جہان میں محشر کبھی نہ تھا

(بقیہ صفحہ 59 پر)

**سید سبحان انجم**
کھام گاؤں

# شیگاؤں کا ہر دلعزیز شاعر

☆علاقہ مہاراشٹر میں شیگاؤں سنت نگری یعنی اولیا کی بستی ہے جو سنٹرل ریلوے پر واقع ہے۔

☆یہاں سے برقؔ، گلؔ، خستہؔ، اطہرؔ، افزاؔ، نواب اور خواجہ شیگانوی جیسے نامی گرامی شعرا ہوئے ہیں (ان میں سے صرف اظہر شیگانوی کا کلام ملتا ہے)

☆دوسرے دور میں عظیم انجمؔ، کریم اخترؔ، مشکل شیگانویؔ، عزیز شیگانوی (ڈرائیور)، محمد تراب ناشطؔ، تفضّل صابر کے علاوہ ہزل گو استاد بنوز بیا نظر آتے ہیں (ان میں سے اکثر مرحوم ہو چکے ہیں)

☆نئی نسل کے شعرا میں عزیز خاں عزیزؔ، لطیف ثانیؔ، شریف ساجدؔ، عمر خاں عمرؔ، شجاعت خاں وسیمؔ، ڈاکٹر حسین اظہرؔ، سلیم الدین عامرؔ، ساحر کریمؔ، انیس شوقؔ، فاروق رضاؔ، اقبال فراقؔ، ملنگ شاہ رہبرؔ، افسر شیگانوی اور شکیل زاہد وغیرہ شامل ہیں۔ (ڈاکٹر انور احمد خاں اور ماسٹر لطیف ثانی کی تصنیفات چھپ چکی ہیں)۔

☆شاعر شباب انجم یہاں کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ حال ہی میں ان کا شعری مجموعہ "صبح براز" چھپ چکا ہے۔ دوسرے نمبر پر شاعر انجمن عزیز خاں عزیزؔ ہیں (جن کا شعری مجموعہ "دھواں دھواں بدن" منظرِ عام پر آچکا ہے۔

☆آج کل (بڑھاپے میں) عزیزؔ اپنے والد کی زیروکس کاپی نظر آتے ہیں۔

☆صورت خدا بناتا ہے اور سیرت ہم خود بناتے ہیں۔

☆خوش نصیب ہے وہ بیٹا جو اپنے والد کی یاد دلا دے۔

☆عزیز خاں عزیزؔ جناب سکندر خاں چیف صاحب کے اکلوتے فرزند اور حضرت روح اللہ خاں صاحب کے پوتے ہیں۔ عزیز کی تاریخ پیدائش یکم اپریل ۱۹۴۵ء ہے۔

☆عزیزؔ میرے ہم وطن ہیں، ہم عمر اور ہم خیال ہیں۔ اردو چوتھی تک وہ میرے ہم جماعت رہے۔ پھر اس کے بعد خوش نصیبی سے وہ اردو کے اور کم نصیبی سے میں مراٹھی میڈیم کا طالب علم رہا ہوں۔ (کھام گاؤں انجمن میں انھیں ڈاکٹر زینت جاوید، ڈاکٹر طالب دیشمکھ، ضیا زخمی اور ڈاکٹر ایم آئی ساجد جیسے ساتھی ملے۔ اور مجھے مُرار کا اسکول شیگاؤں میں جبار سیٹھ، زور آور بھائی، صدیق گروجی اور حاجی شفیق احمد جیسے دوست نصیب ہوئے)

☆حاجی یاسین منصوری (لائن مین چکھلی)، حاجی عبدالرشید خاں (R.J.T.O) کھام گاؤں، عزیزؔ کے بچپن کے جگری دوست ہیں۔

☆حاجی عطاء اللہ کیفؔ بدنیروی عزیزؔ کے بڑے بہنوئی ہیں (جنھیں میں بھی بھائی میاں کہتا ہوں)۔

☆عزیز اپنے والد محترم کی ملازمت کی وجہ سے گلبرگہ (میسور) میں کافی عرصہ مقیم رہے۔ والد کے ریٹائرمنٹ کے بعد یہ وہیں کے ہو کر رہ جاتے تو ہم اپنے ایک جگری دوست سے دور شیگاؤں کے ایک خاموش خدمت گار اور اردو کے ایک دیوانے سے محروم رہ جاتے۔

☆عزیز خاں صاحب ۰ ۷ء سے ۱۹۷۴ء تک مقامی انجمن میں مدرس رہے۔ پھر اس کے بعد نگر پریشد اسکول میں مدرسی کی اور وہیں سے سبکدوش ہوئے۔

☆آج کا ڈیجیٹل دور ہے پھر بھی عزیزؔ کا فرنٹ پوز اس طرح رہے گا۔ باریش، آنکھوں پر چشمہ، قبول صورت، گورا رنگ اور مضبوط ساخت۔

☆ایسی خصوصیات جو کیمرے میں قید نہ ہو سکیں وہ اس طرح ہیں:۔ پُر وقار شخصیت، مخصوص آواز، نیک شریف، پاکیزہ سیرت، مضبوط قوتِ ارادی، تعمیری ذہن اور اس قسم کی خداداد صلاحیتیں اور صفاتی البم رکھنے والے اس شخص کے مزاج میں تکبر اور تعصب کی پرچھائیں تک نہیں (بس عاجزی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہے)

☆عزیزؔ مردم شناس، دور اندیش، اعتدال پسند، گفتگو میں محتاط، دل شکنی سے پرہیز کرنے والا، زندگی میں اپنے باپ کا فرماں بردار اور ان کے مرحوم ہو جانے پر انھیں اپنی دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھنے والا، اپنے بیوی بچوں کا خیر خواہ، بہنوں کا دلارا، رشتہ داروں کا ہمدرد، دوستوں کا محسن، صوم وصلواۃ کا پابند (اور اب تو یہ شخص ماشاء اللہ حاجی ہو گیا ہے)

☆خلوص ومحبت، اتحاد واتفاق، بھائی چارگی اور ملن ساری، نیکی، شرافت، امدادِ باہمی کا جذبہ، خدمتِ خلق کا نشہ اور اس قبیل کی زندگی کی تمام سچائیوں پر عزیزؔ ایمان رکھتا ہے اور یہی خوبیاں وہ اپنی اولاد میں بھی دیکھنے کا آرزومند ہے۔

☆دو بیٹے اور دو بیٹیوں والے اس شخص کا پریوار اب بڑھ گیا ہے اور رشتہ داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔ (اب یہ نانا بھی ہے اور دادا بھی ہے)

☆گھر میں ان کا ایڈمنسٹریشن بہت اچھا ہے۔

☆گاؤں بھر میں شاعرِ انجمن کی شناخت رکھنے والے اس شخص کی طفلی نظموں کا مجموعہ "لفظوں کی مالا" چھ سات برس پہلے چھپا اور علاقے بھر میں پسند بھی کیا گیا۔

☆عزیز ہر کسی کی عزت کرتے ہیں،ہر کسی کو رسپانس دیتے ہیں۔اسی وجہ سے ہر کوئی ان کا احترام کرتا ہےاور سچ پوچھیں توان کے ہردلعزیز ہونے کا یہی راز بھی ہے۔
☆ میری طرح عزیز بھی حساس طبیعت والے ہیں۔اگر انھیں کوئی بات نا گوار لگی تو گھنٹوں پریشان رہتے ہیں۔شاید ظفر گورکھپوری نے ہم جیسے لوگوں کے لیے ہی یہ شعر کہا ہے:

بہت حساس ہونا بھی بہت اچھا نہیں ہوتا
یہ ایسی موت ہے جس کا کہیں چرچا نہیں ہوتا

☆لفظوں کی مالا میں راقم الحروف نے ایک جگہ لکھا تھا:''عزیز دراصل بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔یہ توان کے تدریسی پیشے اور فرمائشی گیتوں کے موسم نے انھیں بچوں کا شاعر بنادیا ہے''۔عزیز میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک اچھے شاعر اور سچے انسان میں لوگ تلاش کرتے ہیں۔
☆آج کی تاریخ میں یہ دو چار صفحات عزیز کی تقریباً ستّر سالہ محبت کی کتاب اور ہمارے دوستانہ مراسم کا نچوڑ ہے۔
☆زیرِنظر مجموعہ اٹھارہ برس پہلے چھپتے چھپتے رہ گیا تھا۔خوشی اس بات کی ہے کہ اب ان کے دونوں بیٹے اسے چھپوانے میں لگے ہوے ہیں۔خدا ان کی مدد کرے۔اس دعا کے ساتھ۔کمترین

سبحان انجم۔احمد منزل۔ضیا کالونی
کھام گاؤں۔444303(مہاراشٹر)

**(عکاسِ عصر اور شاعرِ فطرت کا بقیہ)**

کئی اشعار میں پند و نصیحتیں بھی ہیں:

کیوں برا کہتے ہو پڑوسی کو۔اپنے بچوں کو قاعدے میں رکھو
اس کو ٹھوکر کبھی نہیں لگتی ۔ جو میانہ روی سے چلتا ہے
زندگی کے عزیز سانچے میں۔آدمی ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتا ہے
طفلِ مکتب ہے وہ نہ سمجھے گا۔ تجربہ زندگی سے ملتا ہے
خدمتِ قوم جو کرے بےلوث۔ ایسے سردار کو ترستے ہیں
گرنے کی اور اٹھنے کی حرکت بری نہیں۔ بچے کو پاؤں چلنا سکھا دیتی ہے میاں
دنیا سے آپ اتنی محبت نہ کیجیے ۔دنیا خدا کی یاد بھلا دیتی ہے میاں
بےاصولی میں اطمینان کہاں۔زیست میں ضابطہ ضروری ہے
دوستو!امن میں بھلائی ہے۔ جنگ کا خاتمہ ضروری ہے
حل مسائل کا ڈھونڈنے کے لیے۔ باہمی مشورہ ضروری ہے
دوسروں کو سمجھنے سے پہلے ۔خود کو ہی جاننا ضروری ہے
شر سے بچنے کے واسطے یارو۔ خیر کا راستہ ضروری ہے
وعظ و بیاں سے کوئی متاثر نہیں ہوا۔کردار ہونا چاہیے گفتار کی طرح

اس طرح کے کئی اشعار میں عزیز نے فلسفۂ زندگی کو بیان کیا ہے۔زندگی کی بہتری کی باتیں بیان کی ہیں۔عزیز کی غزلیات میں انسان کے مختلف جذبات،خیالات،تاثرات کا عکس بھی موجود ہے اور عصری سماجی شعور وحسیت بھی۔ان کی غزلیات میں جابجا ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں انھوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں اور انسانی مسائل کو غزل کی زبان میں پیش کیا ہے۔ان کی شاعری کی اس نمایاں واہم خصوصیت کی بنا پر ہی اگر ان کو عکاسِ عصر اور شاعرِ حیات کے خطاب سے یاد کریں تو بہت مناسب ہوگا۔

☆☆☆

**(شعرِ عزیز کا فکری رجحان کا بقیہ)**

اور لایعنی مضامین نہیں ملتے۔ان کے یہاں تخلیقی قوت اس لیے مجتمع ہے کہ انھوں نے اعلیٰ قدروں اور اصولوں کا سہارا لیا ہے۔پتہ نہیں موصوف نے اپنے شعری مجموعے کا نام''دھوں دھواں بدن'' کیسے رکھ دیا جو ان کی ایک غزل کے مطلع سے ماخوذ ہے۔ورنہ ان کی نظر تو اتنی تیز ہے کہ ہر شے ان کے سامنے صاف شفاف اور تمام صفات کے ساتھ آجاتی ہے۔نہ ان کے فن میں پیچیدگی ہے نہ ان کے افکار میں ابہام۔ہر بات گفتگو کے انداز میں نہایت سادگی کے ساتھ اور وہ بھی نرم لہجے میں۔کہیں طنز نہیں،لہجہ میں تلخی نہیں،البتہ شگفتگی دل کی ہلکی سی چٹک ضرور سنائی دیتی ہے۔درد بھی ہے،سوز بھی اور افسوس بھی۔ان کی شاعری نہ تشبیہات کی شاعری ہے،نہ استعاروں کی۔حفیظ میرٹھی نے کہا تھا:

اب کھل کے کہو بات تو کچھ بات بنے گی
یہ دورِ اشارات و کنایات نہیں ہے

عزیز صاحب بھی بات بہت صاف اور کھل کر کہتے ہیں،کہیں لاگ نہیں لگاؤ نہیں،سادگی ہے،پُرکاری نہیں۔انھیں اس بات کا اطمینان ہے کہ ان کے مافی الضمیر کا اظہار ترسیل وافہام کے ساتھ ہو رہا ہے۔اور وہ جو بات کہنا چاہتے ہیں وہ قاری کے دل تک پہنچ رہی ہے۔کئی ایسے فنکار ہیں جن کے فن میں بات تو ہوتی ہے لیکن سچ نہیں ہوتا۔عزیز صاحب کے یہاں بات بھی ہوتی ہے اور سچ بھی ہوتا ہے۔اس لیے ان کی شعری بصیرتوں میں زندگی کا حقیقی رنگ بھی ہے اور زندگی کے زاویے بھی۔

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر زینت اللہ جاوید

# شعرِ عزیزؔ کا فکری رجحان

چند ماہ پیشتر انجمن جونیئر کالج کھام گاؤں میں استاذی ڈاکٹر غلام کبریا شبلی صاحب کی سیرتِ نبوی سے متعلق تالیف کا رسمِ اجرا تھا جہاں دیرینہ دوستوں سے ملاقات ہوئی وہیں اور ایک صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ مجھ سے ملے۔ سفید پوش، آنکھوں میں چمک اور مسکراہٹ، گفتگو میں شائستگی، لہجے میں نرمی، چہرے سے باکردار۔ انھیں دیکھتے ہی کچھ اپنائیت کا حساس ہوا۔ کہنے لگے زینت بھائی دعوت نامہ میں آپ کا نام دیکھا تو بطورِ خاص آپ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ مجھے آپ نے پہچانا؟ میں نے پہچاننے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کہنے لگے میں عزیز خاں ہوں۔ ہم نے اسی اسکول سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ہم یہیں ایک ساتھ زیرِ تعلیم رہے ہیں۔ ان کی یہ بات سن کر میں گردشِ ایام کے ساتھ ایک ہی جست میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ پیچھے دوڑ گیا۔ میرا عزیز دوست، میرا ہم جماعت، شیگاؤں کا رہنے والا اس وقت بھی یہی حال تھا۔ صاف شفاف سفید کپڑوں میں ملبوس، چہرے پہ مسکراہٹ، حق گو، کردار کا دھنی لڑکا آج بھی زندگی کا طویل سفر طے کرنے کے بعد پختگیٔ عمر میں بھی وہی انداز اس کا وہی حسنِ کردار اور خلوص و محبت کی دولت۔ خیال آیا یقیناً یہ شخص زندگی بھی امیر رہا ہوگا۔ اس لئے کہ امیری اور غریبی کا معیار محض دولت ہی سے نہیں ہوتا، انسان کے کردار سے ہوتا ہے۔ اور پھر عزیز صاحب کے حالات زندگی اور شخصیت سے متعلق تفصیل ان مضامین سے ملی جو ان کی شعری تصنیف ''لفظوں کی مالا'' میں ہمارے معتبر ناقدوں نے تحریر فرمایے ہیں کہ جی خوش ہوگیا۔ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کی طرف گامزن رہنے والے لوگوں کے حالات پڑھ کر دل مسرت سے بھر جاتا ہے۔ سینہ کے گوشہ میں نیکیوں کے جگنو کہیں چمکنے لگتے ہیں۔ خیر کی سرخروئی سے حیات مستعار کی جاودانی کا گمان ہونے لگتا ہے۔

عزیز صاحب با اخلاق انسان ہیں اور اس پہ سہاگہ یہ کہ ادیب و شاعر بھی ہیں۔ ہمارے عہد میں شاعر ہونا کمال کی بات نہیں ہے بلکہ شاعری کو صحیح سمت دینا کمال ہے۔ مثبت فکر و خیال سے ہماری تہذیبی و ثقافتی اقدار کو زندہ رکھنا کمال ہے۔ تخریب و زوال پسند لوگوں کے درمیان رہ کر تعمیری فکر و خیال کا دل و دماغ میں آجانا کمال ہے۔

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ خیالات کو فنی تخلیق کے مرحلہ میں اولیت حاصل ہے۔ انسان الفاظ کا انتخاب کر کے نہیں سوچتا بلکہ پہلے خیال پیدا ہوتا ہے اور فکر و خیال، اظہار و ترسیل کے لئے الفاظ از خود اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں۔ اگر کلام میں حسن و تاثیر پیدا ہو جائے تو وہ فکر و خیال ادب کے نزدیک کر دیتے ہیں۔ پھر چاہے وہ نثر ہو یا شعر، خیال بھی اثر پذیر اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس میں پختگی اور گہرائی ہو، خلوص ہو الفاظ و خیالات میں مطابقت ہو۔ جب تخلیق کار تخلیقی عمل کے وقت اپنی شخصیت سے گریز نہ کر رہا ہو۔ زندگی کے کئی روپ ہیں، کئی سطحیں ہیں جب وہ ان سب سے صرفِ نظر نہ کر رہا ہو۔ عزیزؔ صاحب کا شمار ان شاعروں میں ہوتا ہے جو شاعری کی مقصدیت کے قائل ہیں اور شاعری سے اس کا منصب نہیں چھینتے۔ ان کی شاعری میں حسن و خیر کی جستجو کی چنگاریاں اور عظیم منزلِ مقصود کی طرف ذہن موڑنے کی کوشش نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری زندگی سے جڑی ہوئی ہے۔ اور اس کی جڑیں اسی تہذیب اور عقیدے و اقدار سے وابستہ ہیں جو انہیں بھٹکنے نہیں دیتے۔ ایک با معنی اور صحت مند اور مبنی بر انصاف معاشرہ پیدا کرنے کے لئے عزیز صاحب کی نظر انسانی کردار اور اخلاقیات کی طرف جاتی ہے، جس کی مدد سے ایک اعلیٰ مقصد اور جذباتی سکون کی کیفیت نصیب ہوتی ہے۔

غیر ممکن نہیں تسخیرِ زمانہ لیکن ۔ آپ کے پاس ہیں اخلاق کے زیور کتنے

جن کے سایے میں بڑا دل کو سکوں ملتا تھا
کیا سلامت ہیں وہ اشجار چلو دیکھیں گے

اسی امید پہ ہم موت کی بانہوں میں زندہ ہیں
ہماری زندگی اک دن کسی کے کام آیے گی

جدید تہذیب داخلی کھوکھلے پن اور کربِ زماں کا شکار ہے اور ہمارے سامنے بڑا سوال یہ ہے کہ اس کھوکھلے پن اور کرب کو ہم کیسے دور کر سکتے ہیں۔ کیا مادّی بہتات کے حصول سے جو بنیادی ضرورتوں کے بجائے نئی نئی خواہشیں پیدا کرتی ہیں، جس کے باعث انسان کا داخلی سکون اور اطمینان ناپید ہو جاتا ہے یا اپنی زندگی کو روحانی قدروں سے ہم آہنگ کر کے جس سے انسان داخلی اور ذہنی کرب و تناؤ سے نجات پا سکتا ہے۔ انسان کو فرشتوں اور جنوں پر فضیلت اس لیے حاصل ہے کہ تخلیق آدم کے وقت اللہ سبحانہٗ نے آدم کو اس علم سے نوازا تھا جو کسی اور کو حاصل

نہیں تھا۔لیکن افسوس انسان نے دنیا میں آ کر ترقی تو حاصل کر لی لیکن وہ روحانیت کے اعتبار سے روبہ زوال رہا۔اور وہ سوال جو انسان، خدا اور کائنات کی شکل میں اس کے سامنے آئے وہ ان کے عرفان سے ناواقف رہا۔عزیز صاحب کس قدر افسوس اور حیرت آمیز لہجے میں کہتے ہیں۔

کتنا قابل تھا آدمی لیکن ۔حل ضروری سوال کر نہ سکا

آیئے عزیز صاحب کے شعری رجحان کو سمجھنے کے لیے مزید کچھ اشعار دیکھتے چلیں:

ظلمت ہے خوف ناک اجالے بھی دل فریب

لگتا ہے مار ڈالے گا دن رات کا ہجوم

یقین کیجئے ہر زاویئے سے دیکھا ہے۔حیا کا نور نہیں بے نقاب چہرے پر

اللہ جل جلالہٗ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔لیکن وہ اس کا شکر نہیں کرتا بلکہ ان دیکھی کرتا ہے اور اس چیز کے لیے شکوہ بہ لب ہوتا ہے جو اسے حاصل نہیں ہے۔جبکہ کسی چیز کا حاصل نہ ہونا بھی اللہ جل جلالہٗ کی خشیت وحکمت کے مطابق عین انسانی بھلائی کے لیے ہوتا ہے:

میں ہی اندھا تھا نہیں دیکھ سکا ورنہ کبھی

جاذبِ قلب ونظر تھے مری قسمت کے خطوط

زندگی ہر لمحہ تغیر پذیر ہے اور ارتقا پر یقین رکھتی ہے۔زندگی کے ان تغیرات میں انسان کو بھی بے شمار آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔سفر مدام سفر ارتقائے زندگی کا خاصہ ہے۔اس لیے کسی ایک مقام پر انسان مرتکز ہو کر نہیں رہ جاتا بلکہ ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اپنی منزلِ مقصود کی جانب گامزن رہتا ہے۔اس لیے اقبالؔ نے کہا تھا:

اک جنوں ہے کہ ہوشیار بھی ہے

اک جنوں ہے کہ ہوشیار نہیں

عزیزؔ صاحب بھی ایسے ہی جنون کے پروردہ ہیں جس میں ہوشیاری اور ہوش مندی لازمی ہے:

زندگی ایسی مہم ہے جسے سر کرنے کو۔ہوش مندی بھی ضروری ہے فقط جوش نہیں

دنیا میں آدمی کو کہاں اطمینان ہے ۔اک امتحاں کے بعد بھی اک امتحان ہے

عزیزؔ صاحب کا سیاسی وملی شعور بھی ان کے تخلیقی عمل کو مہمیز کرتا ہے تو وہ اپنے اطراف کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے تجرباتِ زندگی کو شعر کی بنیاد بناتے ہیں۔ہمارے ملک میں نہ صرف یہ کہ مین اسٹریم نامی ایک لفظ گڑھ لیا گیا ہے جس میں سب کے داخلے کے لیے زور دیا جا رہا ہے' جس کے لیے حکومت کے کارندے اور نظریہ ساز شخصیتوں نے مسلمہ تاریخ کو بھی مسخ کرنے کی مذموم کوششیں شروع کر دی ہیں۔اور مشترکہ تہذیب کی بجائے ایک مخصوص تہذیب ہی کو سب کچھ مان لیا گیا ہے جس کے پس منظر سے فسادات تاریخِ ہند کا ایک ایسا سیاہ باب ابھرا ہے جو آنے والی خوش فکر نئی نسل سے ہمیں شرمسار کردے گا۔ادب کے ہر دور میں یہ عظیم طاقت رہی ہے کہ اس نے خود کو انسانی سماج اور اس کے سیاسی وثقافتی مسائل سے وابستہ رکھا ہے۔عزیزؔ صاحب کے یہاں بھی عصری حالات کے پس منظر میں ایسے الجھے ہوئے منظر نامہ بھی سامنے آجاتے ہیں:

ہمارے خواب کی تعبیر دیکھنی ہوگی ۔کہ آنکھ لگتے ہی لشکر دکھائی دیتے ہیں

آہٹ پہ چونک اٹھتا ہے خود کے مکان میں۔ حالات سے وہ اتنا متاثر کبھی نہ تھا

کشمیر میں ہونے والے واقعات کی ترجمانی کس خوبصورت انداز میں کی ہے:

برف کی وادیوں میں رہ کر بھی۔میری تقدیر جل گیا ہوں میں

ذیل کا شعر حضرت بلال کی زندگی کے واقعات کی یاد دلاتا ہے:

سلسلہ جرم کا رہے جاری۔ہم نے سینے پہ رکھ لیا پتھر

ہمارا نام چن چن کر کتابوں سے مٹاتی ہے

سیاست کی نظر آخر کہاں تک ظلم ڈھایے گی

ہندوستان کی تاریخ کو بدلنے کی ایک سعی لا حاصل ہے:

ہمتِ لب کشائی کس میں ہے۔کون مجرم ہے وقت بولے گا

کسی کے ہاتھوں میں ڈوری ضرور ہوتی ہے

پتنگ اڑاتے نہیں ہیں اڑایے جاتے ہیں

دورِ حاضر کا انعکاس بہترین اسلوب میں کیا ہے۔عزیزؔ صاحب اس مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جس میں اپنی کمزوریوں کا الزام محض دوسروں ہی کے سر نہیں رکھ دیا جاتا بلکہ اپنے گریباں میں جھانک کر اپنی ذات کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کی جاتی:

آ گئے ہم مقام پر ایسے ۔جیت کیا ہار کو ترستے ہیں

اپنی صفوں سے آپ منافق نکال دیں

قدموں میں گر پڑے گی حکومت جہان کی

آپ چاند سے اس وقت روشنی نہیں مانگ سکتے جب خود اس کی جھولی میں اماوس کے ٹکڑے پڑے ہوئے ہوں۔ایسے وقت ایک تخلیق کار تخلیقِ فن سے اپنی فکر کے افق پر ایک نئے چاند کو جنم دیتا ہے اور زندگی کے خرابے میں نئی رتوں کے سلسلے کہیں نہ کہیں پیش قدمی کے لیے محوِ سفر ہو جاتے ہیں۔تب ایک مثبت فکر ادیب وشاعر ان آہٹوں کو محسوس کر ہی لیتا ہے۔یہ آہٹیں عزیزؔ صاحب کی شاعری میں ان کے ذاتی احساس اور جذبۂ خلوص کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہیں۔یہ محض دوسروں کی کردار سازی کے لیے ہی نہیں بلکہ خود شاعر کی فطرتِ صالحہ کی روشنی میں فروغ پذیر ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ عزیزؔ صاحب کے فکرِ شعر میں بے رنگ تکرارا

(بقیہ صفحہ 23 پر)

**ڈاکٹر انوار احمد خاں**
سابق لکچرار جی بی مرار کا کالج۔شیگاؤں

# عزیز شیگانوی: فن اور شخصیت کے آئینے میں

جناب عزیز خاں عزیزؔ یکم اپریل ۱۹۴۵ء کو شیگاؤں (ضلع بلڈانہ مہاراشٹر) میں پیدا ہوے۔انجمن ہائر سکنڈری اسکول میں چار سال تک مدرس رہے۔مقامی نگر پریشد اسکول میں ۲۸؍برسوں تک تدریس کے فرائض انجام دیتے ہوے سنہ ۲۰۰۳ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہوگئے۔عزیزؔ ایک اچھے اور قابل استاد رہے ہیں۔صاف ستھری باوقار شخصیت اور حساس طبیعت کے مالک ہیں،محفل پسند ہیں،شریف النفس ہیں،طبیعت میں متانت،ظرافت،تدبر،خودداری،قناعت پسندی،بردباری،ملنساری،غم گساری،ہمدردی،عجز وانکسار،صبر وتحمل اور فقر وغنا موجود ہے۔باظرف اور ایک اچھے انسان ہیں۔اس لیے انسانیت پسند ہیں۔اور انسانیت نوازی بھی ان کی پہلودار شخصیت میں گویا دکھائی دیتی ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

نام عزیز خاں تخلص عزیزؔ،جیسا نام ویسی شخصیت اور جیسا شخص ویسی شاعری بلکہ شخصیت وشاعری،نام اور تخلص سے بڑھ کر یعنی نہ صرف عزیز بلکہ ہردلعزیز۔طالب علمی کے زمانے میں کھام گاؤں کی ادبی فضا،سید سبحان انجم کی دوستی،بڑے بہنوئی عطاء اللہ خاں کیفؔ بدنیروی،عظیم انجم اور کریم اختر کی صحبتیں ان کی شاعرانہ تحریک کا سبب بنیں۔۱۹۶۰ء سے شعر کہنے لگے لیکن باقاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۷۵ء سے ہوا۔

خان صاحب کی شاعری ان کی اپنی شخصیت کی عکاس ہے اور اپنے زمانے کی ترجمان بھی۔لیکن شخصیت کی عکاس سے زیادہ زمانے کی ترجمان ہے۔صابر وشاکر اور قناعت پسند ہونے کی وجہ سے اپنے ذاتی معاملات اور واردات کو کم بیان کیا ہے۔اپنی ذات سے ہٹ کر نظر دنیا اور دنیا کے معاملات پر لگی ہوئی ہے۔لہٰذا کلام میں جہاں ان کی شخصیت کے جوہر پارے جھلکتے ہیں وہیں ان سے زیادہ سیاسی وسماجی زندگی،اخلاقی وروحانی زبوں حالی اور انسانی اقدار کی پامالی کے نقشے ابھرتے نظر آتے ہیں۔کلام میں زمانے کے دکھڑوں کے ساتھ ساتھ انسانی ہمدردی،قومی ہمدردی اور پیامِ عمل نمایاں ہیں۔جناب عزیزؔ فرمائش پر مختلف نظمیں خوب کہتے ہیں اور متفرق اشعار بھی۔

میں نے اپنی کتاب ''انواراتِ اقبال'' محترم سیٹھ عبدالستار ابراہیم صاحب مرحوم ومغفور (سابق سدر انجمن وسابق صدر بلدیہ) کے نام منسوب کرتے وقت خان صاحب سے فرمائش کی کہ وہ انتساب کے لیے ایک ایسا شعر کہیں جو موصوف کی شخصیت اور اپنی ممنویت کا آئینہ دار ہو۔خاں صاحب نے دوسرے ہی دن دو مصرعوں میں باظرف شخصیت اور راقم کی ممنویت کی آئینہ داری دل پذیر انداز سے کردی۔فرمایا:

تعریف کس طرح میں کروں اس کے ظرف کی
عزت رکھی ہے جس نے مرے حرف حرف کی

اور پھر اسی ردیف وقافیہ میں غزل پوری کہہ دی۔عزیزؔ کا کلام سلجھا ہوا اور عام فہم ہے۔اختصار تقریباً ہر جگہ نمایاں ہے۔انھوں نے چھوٹی بحروں کو پسند کیا ہے اور ان کے استعمال میں کامیاب بھی ہوے ہیں۔چھوٹی بحروں میں سادہ شستہ اور عام فہم الفاظ اور رواں زبان میں شعر کہنا ان کی شناخت بن چکی ہے۔اسی خوبی پر وہ کئی علاقائی مشاعروں میں خوب داد وصول کر چکے ہیں۔اختصار وسادگیٔ الفاظ اور روانی ملاحظہ فرمائیں:

جرم ثابت نہ کر سکے دشمن۔دوستوں کا بیان باقی ہے
دل ہے غم گیں بہار کیا معنی۔ یہ مہک یہ نکھار کیا معنی
گل میں تبدیل ہوگئے پتھر۔میرے برتاؤ کا اثر تو نہیں

محبوبِ کے اظہارِ ستم ظریفی کا انداز دیکھیے:

دل چھلنی کرکے پوچھا ستم کرنے ناز سے
میرا کبھی بتاؤ نشانہ خطا ہوا

گھر میں بیٹھی جوان بیٹی باپ کی نیند اڑا دیتی ہے۔اس دل سوز حالت کو دیکھئے کس انداز میں بیان کیا ہے:

بے خوابی کے مریض سے کہنے لگا طبیب
لگتا ہے گھر میں آپ کے بیٹی جوان ہے

تخریب میں تعمیر کا پہلو اور خطرات ومشکلات میں احتیاط کا درس ملتا ہے۔دیکھئے ان حقائق کو شاعر نے کس انداز سے قالبِ شعر میں ڈھالا ہے۔

ہماری راہ میں کانٹے بچھا گیا ہے کوئی

سنبھل کے چلنا ہمیں بھی سکھا گیا ہے کوئی

عزیز کے بعض اشعار استاد شاعروں کے اشعار کی آئینہ داری کرتے ہیں جن میں ان کا اپنا مخصوص اندازِ بیاں اور اپنی شناخت نمایاں ہے۔ دیکھئے ولی اورنگ آبادی کی طرح اپنے محبوب سے ملاقات کے اشتیاق کو اضطرب دل کے ساتھ کس طرح بیان کرتے ہیں:

ہوا ہے سیر کا مشتاق، بے تابی سوں من میرا
چمن میں آج آیا ہے، مگر گل پیرہن میرا (ولی)

مضطرب بے سبب جگر تو نہیں
حال جو اپنا ہے اِدھر اُدھر تو نہیں (عزیز)

ایک کے دل کی اضطرابی کیفیت محبوب کی آمد کی اور دوسرے کی کیفیت محبوب کے منتظر ہونے کی غمازی کرتی ہے۔ موسم آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ ٹھہرتے بھی ہیں مگر بہت کم وقفہ کے لیے۔ دیکھئے موسمِ شباب کے بارے میں شاد اور عزیز کیا فرماتے ہیں۔

مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا
آ جاؤ تمھیں جو آنا ہے ایسے میں ابھی شاداب ہیں ہم (شاد)

تیرے آنے سے پیشتر رخصت
ہو نہ جائے شباب کا موسم (عزیز)

عزیز کو لفظ لفظ میں مفہوم پیدا کرنے کا کمال حاصل ہے۔ تکرارِ لفظی سے نہ صرف بھرپور مفہوم بلکہ زورِ بیان اور اختصار و جامعیت بھی نمایاں ہے:

نظر نظر حسد حسد ] جگر جگر جلن جلن
لگی ہے آگ اس طرح دھواں دھواں بدن بدن

عزیز نے مومن کی طرح اپنے تخلص سے بھی فائدہ اٹھایا ہے:

تم مجھے کیوں عزیز کہتے ہو۔ جب خلش درمیان باقی ہے

کلامِ عزیز میں تغزل اور رومانیت ملاحظہ فرمائیے:

بنا رہا ہے فضا کو وہ کس قدر رنگین۔ بکھر رہا ہے جو رنگ شباب چہرے پر
موقوف عمر پر نہیں پیمانۂ نظر۔ ہر شے حسین لگتی ہے گر دل جوان ہے

ذیل کے اشعار ان کے اندرون کے آئینہ دار ہیں

ہم ہیں تعمیری ذہن کے مالک۔ ہم سے تخریبی کام ہو گا نہیں
میری فطرت کے یہ منافی ہے۔ موسموں کی طرح بدل جانا

کلامِ عزیز میں کہیں کہیں یاسیت نظر آتی ہے جس کی ایک وجہ ان کے اپنے رنج و الم ہیں اور دوسری وجہ دنیا کی بے ثباتی اور زبوں حالی ہے:

ہے لکھا ہوا شاید یہ میرے مقدر میں
ایامِ بہاراں میں پت جھڑ کا گزر دیکھوں

کبھی تخت ہے کبھی خاک ہے یہی زندگی کبھی خواب ہے
یہاں کوئی شے نہیں معتبر یہ جہان ایک سراب ہے

کلامِ عزیز میں پیغامِ عمل بھی ہے اور درسِ اخلاق بھی، تعلیم و تربیت بھی ہے اور اصلاح و تلقین بھی:

زندگی ایسی مہم ہے جسے سر کرنے کو۔ ہوش مندی بھی ضروری ہے فقط جوش نہیں
موڑ سکتے ہو رخ ہواؤں کا۔ موڑ بس ایک بار دو خود کو

دنیا، دنیا کی زندگی اور اس کے حقائق پر عزیز کی نظر گہری ہے۔ چنانچہ اس سے متعلق اپنے نظریات کو کئی مقامات پر نمایاں کیا ہے:

روشن ہے کائنات خدا کے جمال سے۔ مٹ جائے گا جہان اسی کے جلال سے
زندہ وہی رہیں گے قیامت تلک عزیز۔ جو لوگ خوشبو بن کے ہوا میں بکھر گئے

اقبال نے ہمیں اسی بات کی تلقین کی ہے:

تا کجے چوں غنچہ می باش خموشی۔ نکہتِ خود را چوں گل ارزاں فروشی

یعنی کب تک تو غنچہ کی طرح چپ رہے گا۔ پھول کی طرح اپنی خوشبو کو عام کر دے۔

کلامِ عزیز میں صوفیانہ مذاق کے اشعار بھی دیکھنے کو ملتے ہیں:

اس لیے جاذبِ نظر ہے جہاں۔ وہ بسا ہے ہر ایک منظر میں
جو سدا رہتا ہے تصور میں۔ اس کا دیدار ہو گا محشر میں

کلام میں پیش گوئیاں ملاحظہ فرمائیں:

وہ دن قریب ہے جب ہر ستم رسیدہ کے۔ ملے گا لکھا ہوا انقلاب چہرے پر

ہمارے کئی شعرائے قدیم نے اپنے کلام کی تعریف کی ہے اور کلام پر فخر بھی ظاہر کیا ہے۔ عزیز بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں ہیں:

لوگ اہلِ نظر نہیں ورنہ
ہم بھی ہیں قیمتی گہر جیسے
میرا دعویٰ ہے آنے والا کل
میرے لفظوں کو زر میں تولے گا

واقعہ یہ ہے کہ چھوٹی بحور و سادہ، سلیس اور عام فہم الفاظ کا انتخاب، سلجھا ہوا لب و لہجہ، اختصار و جامعیت کلامِ عزیز کا طرۂ امتیاز ہے۔ کلام روایتی اور جدید شاعری کا ایک حسین امتزاج ہے۔ کلام میں حقائقِ دنیا، صداقت، درسِ اخلاق، پیامِ عمل و جرأتِ عمل، اصلاح و تلقین جیسے انمول جواہر موجود ہیں۔ حقائق پر مبنی پیش گوئیاں بھی ہیں۔ لہٰذا اگر ہر دلعزیز شاعر اپنی شخصیت و شاعری پر فخر کرتا ہے تو بجا ہے۔ ایک نشست میں بحان انجم نے متاثر ہو کر فی البدیہہ شعر فرمایا ہے:

تیرے افکار میں سچائی اجاگر ہے عزیز
تیرے اشعار صداقت کے پیمبر ہوں گے

☆☆☆

**حوالدار سلیم الدین عامؔر**
قصرِ حفیظ ۔الحسنہ روڈ۔آزاد نگر۔نمبر۔۱
شیگاؤں۔444203

# تعارف وتبصرہ

الحاج عزیز خان عزیزؔ صاحب کے والد مرحوم سکندر خاں صاحب ایک ایماندار پولیس سب انسپکٹر تھے۔عزیزؔ صاحب کو محکمۂ پولیس میں ملازمت کے بھرپور مواقع حاصل تھے لیکن درس و تدریس کے پیشے سے فطری لگاؤ ہونے کی وجہ سے موصوف نے پیشۂ تدریس اختیار کیا۔اپنی ۳۲ سالہ ملازمت کے دوران آپ نے اس مقدس پیشے کے تقاضوں کو پورا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔طلبہ و طالبات میں اردو کا شغف پیدا کرنا آپ کے تدریسی مشن کا اہم جزو رہا ہے۔موصوف نے ۱۹۷۵ء سے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا ہے جو ہنوز جاری ہے۔انجمن اسلام ایجوکیشن سوسائٹی شیگاؤں نے ۲۰۱۰ء میں آل انڈیا میمن فیڈریشن ممبئی کے ایک اہم ذمہ دار الحاج عبدالمجید زکریا بیا صاحب کے مالی تعاون سے عزیزؔ صاحب کی بچوں کی نظمیں اور حب الوطنی پر مشتمل گیتوں کا مجموعہ ''لفظوں کی مالا'' شائع کیا جو علمی وادبی حلقوں کی جانب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔کئی صاحب الرائے واہلِ علم شخصیات اور دانشورانِ قوم نے آپ کے اس منظوم طفلی ادب کی بڑی پذیرائی کی ہے۔

عزیزؔ صاحب کا متذکرہ کلام تہذیبی سچائیوں کا آئینہ دار ہے۔نونہالانِ قوم وملت کے دلوں میں علم کا شوق،اساتذہ کی عظمت اور اتحادِ باہمی کے جذبہ کی آبیاری آپ کی نظموں اور گیتوں کے اہم موضوعات رہے ہیں۔اسی لیے کئی تعلیمی اور سماجی اداروں کی جانب سے گاہے بہ گاہے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا جاتا رہا ہے جس کی تصدیق ذیل کے مندرجات سے ہوتی ہے:

۱۔۵؍ستمبر ۲۰۰۳ء کو انجمن اسلام ایجوکیشن سوسائٹی،شیگاؤں ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر) کی جانب سے انھیں شاعرِ انجمن کے خطاب سے نوازا گیا اور ۵؍ستمبر ۲۰۰۴ء کو سندِ اعزاز عطا کی گئی۔

۲۔۲۵؍ستمبر ۲۰۰۸ء کو شری سمرتھ ناگری پت سنستھا شیگاؤں کی جانب سے آپ کو اعزاز عطا کیا گیا۔

۳۔۲۰؍فروری ۲۰۰۹ء کو شیگاؤں نگر پریشد شکشن سمیتی کی جانب سے صدر بلدیہ شری پرشوتم شیگوکار صاحب کے ہاتھوں عمدہ علمی وادبی خدمات کی بنیاد پر انھیں سندِ اعزاز سے نوازا گیا۔

۴۔۱۸؍اگست ۲۰۰۹ء کو شیگاؤں میں منعقدہ ایک کل ہند مشاعرے میں مشاعرہ انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے بھی آپ کو اعزاز سے نوازا گیا۔

عزیزؔ صاحب بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔گزشتہ چار دہائیوں میں اتنی غزلیں کہی ہیں کہ کم وبیش چار شعری مجموعے یکے بعد دیگرے منظرِ عام پر آنے کو ہیں۔موصوف نے قطعات بھی خوب کہے ہیں۔اس کے علاوہ دل وجگر کی ایندھن پر آپ نے تقدیسی شاعری کو بھی جلا بخشی ہے جو اس وقت میرا موضوعِ گفتگو نہیں ہے۔

آپ کا زیرِ نظر شعری مجموعہ ''دھواں دھواں بدن'' ایجاز واختصار پر مبنی غزلیات کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس سے فکری طہارت،سماجی شعور کی بالیدگی، حقیقت نگاری اور رعنائی ونزہت کا نمایاں احساس ہوتا ہے۔تصدیق کے لئے چند مثالیں کافی سمجھتا ہوں۔

غیر ممکن نہیں تسخیرِ زمانہ لیکن ۔آپ کے پاس ہیں اخلاق کے زیور کتنے
ایک حد درمیاں مقرر ہے ۔گو مراسم ہیں ان سے گھر جیسے
رہو تنہا یا کسی بزم میں مری نظریں تم پہ جمی رہیں
مجھے دیکھنا ہے یہی فقط تمہیں کتنا پاسِ حجاب ہے

کلامِ عزیزؔ میں خیالات کی سنجیدگی قابلِ تعریف ہے۔آپ کے یہاں شعری اعتدال پایا جاتا ہے۔موصوف فنِ شاعری پر استادانہ عبور اور زبان وبیان پر زبردست قدرت رکھتے ہیں۔نیز اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاقِ حمیدہ کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔جس کی جھلک جا بجا آپ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے۔

آنے والوں کو ہوگی آسانی۔مجھ کو ہموار راہ کرنے دو
مجھے بہت ہی خوشی ان سے مل کے ہوتی ہے
جو لوگ مجھ سے بھی بہتر دکھائی دیتے ہیں

دل جوئی،عفو و درگزر اور رواداری آپ کا خاصہ ہے۔رشتوں کا بے حد پاس رکھتے ہیں۔یہی آپ کی کامیابی کا راز ہے۔

غور کرنا بہت ضروری ہے۔دوستوں میں تناؤ کیسا ہے
ہمارا شیوہ ہے ہر درد کو بھلا دینا۔کسی نے زخم دیا بھی تو مسکرا دینا

آپ کے متذکرہ وصف پر ڈاکٹر محمد کلیم ضیا صاحب (صدر شعبۂ اردو،اسماعیل یوسف صاحب ممبئی) کا درج ذیل شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

**(بقیہ صفحہ 31 پر)**

**فصیح اللہ نقیبؔ**
آکولہ

# ''عکسِ حیات'': غزلِ عزیزؔ کے آئینے میں

عمومی طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے وہ شعرائے کرام جن کا مشاعرے کے اسٹیج کے وسیلے سے چاردانگِ عالم میں رعب ودبدبہ ہوتا ہے' اپنے وطن میں حتیٰ کہ اپنے محلے تک میں حالتِ زبونی کا شکار ہوتے ہیں۔اپنے اشعار وافکار میں زندگی کی اعلیٰ اقدار کا بکھان کرنے والے شعرا اپنے اخلاق وکردار کے لحاظ سے اپنوں کے درمیان کھرے نہیں اتر پاتے۔

ایک معلم ہونے کی حیثیت سے عزیز خاں عزیزؔ کی ہر دل عزیزی طلبہ وطالبات میں اور ان کے توسط سے ان کے سرپرستوں میں نیز سماج کی دیگر مؤقر ومقتدر شخصیات تک پہنچی ہوئی ہے۔اپنے وطن مالوف میں کسی فنکار (خصوصاً شاعر) کو اس نعمت عظمیٰ کا مل جانا دراصل ثبوت ہے اس بات کا کہ وہ محض گفتار کا غازی نہیں بلکہ اپنے اخلاق وکردار نیز اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے تعلق سے کس قدر سنجیدہ اور فعال رہا ہے۔

میں شاید ان سے کبھی نہیں ملا ۔کسی ادبی یا شعری نشست میں تو مطلق نہیں۔ان کی نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ''لفظوں کی مالا'' باصرہ نواز ہوا۔فرمائش پر کہی گئی نظمیں وگیت جو مختلف اجلاس مختلف تقاریب کے موقع پر یا پھر کسی شخصیت کے لئے توصیفی نظم' یہ تمام تخلیقات طلبہ وطالبات کے ذریعہ مختلف مواقع پر گائی جانے والی ہوتیں۔ ان میں شاعر نے موقع ومحل نیز طالبانِ علم کی استطاعت کو ہر آن ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔ زیادہ تر گیت ، بیش تر منظومات انجمن اردو ہائی اسکول کے ارباب بست وکشاد کی فرمائشوں پر وجود میں آئیں۔لہٰذا انہیں انجمن اسلام ایجوکیشن سوسائٹی شیگاؤں کی طرف سے ''شاعرِ انجمن'' کی اعزازی سند سے نوازا گیا۔

جہاں تک عزیز صاحب کے شعری سفر کا تعلق ہے تو بچوں کے لیے نظموں اور گیتوں کا مجموعہ ''لفظوں کی مالا'' ان کی اولین کاوش تھی ۔پھر مجموعہ غزلیات ''دھواں دھواں بدن'' اور اب ''عکسِ حیات'' کے عنوان سے یہ تیسرا شعری مجموعہ ہے جس میں قطعات،غزلیات،حمد ودعا ثنا پر مشتمل نظمیں ونعت اور دیگر منظومات ہیں۔

قطعات کے تعلق سے بات کریں تو شیگاؤں کے فرزند عظیم انجم جو اپنے شہر اور ادبی حلقوں میں ''بھیا'' کہلاتے تھے' ان کی شاعری کا اغلب حصہ قطعات پر مشتمل ہے۔انہوں نے اتنے عمدہ قطعات کہے اور برسر محفل ان کی پیش کش کا انداز اتنا پر کشش ہوتا کہ وہ جانِ محفل بن جاتے۔انہیں برار کا نریش کمار شاد بھی کہا گیا۔ان کے بعد اس شہر سے جو بھی شعرا قطعات لے کر آئے تو ان کا موازنہ عظیم انجم کے قطعات سے کیا جانا ناگزیر سا ہو جاتا ہے۔عزیز صاحب نے کئی فکر انگیز قطعات کہے ہیں۔

بے غرض دوستی رہی باقی ۔مر کے بھی زندگی رہی باقی
ان کے جانے کے بعد بھی اب تک۔ پیار کی روشنی رہی باقی

☆

راہِ الفت میں جان دینا کجا۔ پیش ادنیٰ مثال کر نہ سکا
کچھ تو وہ بھی نہ کر سکے ہمت ۔اور میں بھی مجال کر نہ سکا

☆

زخم دل پر ہوں کئی اور زباں پر چھالے ۔ایسی صورت میں ذرا بات تو کر کے دیکھو
لطف آئے گا تمہیں حشر کا دنیا ہی میں ۔صرف اک بار کبھی جیتے جی مر کے دیکھو

ایک قطعہ تو ایسا ہے کہ گویا عصر حاضر کی دکھتی رگ پر شاعر نے انگلی رکھ دی ہے۔حضرت عمرؓ شبینہ گشت پر نکلے۔کسی گھر سے کسی عورت کے گانے کی آواز آئی۔وہ لحن پرسوز میں عشقیہ اشعار پڑھ رہی تھی۔پتہ کیا کہ اس کا شوہر جہاد کے لئے کسی محاذ پر ہے وہ اس کے فراق میں اشعار پڑھ رہی تھی ۔آپؓ نے اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لائے اور کہا غور کر کے اور مشورہ کر کے بتائیں کہ کوئی عورت اپنے شوہر کی جدائی آسانی کے ساتھ کتنے دن تک برداشت کر سکتی ہے۔جواب ملا ''چار مہینے''۔آپؓ نے تمام مجاہدین کے لئے حکم جاری فرمادیا کہ کوئی بھی چار مہینے سے زیادہ محاذ پر نہ رہے۔گھر لوٹ آئے اور ان کی جگہ تازہ دم مجاہدین لیں۔

وہ معاشرہ جو کہ اسلام کا مثالی معاشرہ ہے، جہاد جیسے عظیم الشان فریضہ پر چار ماہ کی مدت کی پابندی عائد ہوتی ہے۔آج کے معاشرے میں تلاشِ معاش کی خاطر برسوں گھر سے دور بیویوں سے علیحدہ رہنے کا ہمارے پاس جواز کیا ہے۔شاعر کا روحانی کرب اس قطعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک ماں قسمت کی ماری کر رہی ہے التجا۔لاڈلی شادی شدہ ہے صاحبِ کردار ہے
دیجئے مت میری بیٹی کو دعا اولاد کی ۔اس کا شوہر بدنصیبی سے سمندر پار ہے

عزیز صاحب بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں ۔ان کی غزلوں کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ کس طرح انہوں نے اپنی زندگی، اپنے تجربات ومشاہدات' اپنے افکار وخیالات کو پیکرِ شعری عطا کیا ہے۔رسولِ اکرم ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہو اور میں اس

سلسلے میں تمہارے لئے بہترین مثال ہوں۔عزیز صاحب رقم طراز ہیں۔

سبھی کے دلوں میں محبت ہے میری۔ مرے گھر میں ایسی حکومت ہے میری
آج کے دور میں ہے یہ بھی عمل نیکی کا۔اپنے بچوں کے کبھی ساتھ بھی تھوڑا کھیلو
قسم خدا کی وہ جنت سے دور رہتا ہے۔ جووالدین کی خدمت سے دور رہتا ہے

ان رشتوں میں تھوڑی توسیع کے ساتھ شاعر احباب کے تعلق سے رقم طراز ہیں ۔

ٹوٹ جاتا ہے وہ اپنے چاہنے والوں سے بھی
پیدا کرتا ہے خلش جو دوستوں کے درمیاں

غالبؔ نے طنز کو غزل میں ایسے آمیز کیا کہ غزل کی نہج ہی تبدیل ہوگئی۔وہ غالبؔ کی طرزِ ادا ٹھہری۔ پھر یگانہ چنگیزی ،شاؔد عارفی اور مظفرؔحنفی کی غزلیات طنز سے مملو نظر آئیں۔ڈاکٹر مظفرؔحنفی کہتے ہیں،''بطورِ خاص غزل جیسی نازک مزاج صنفِ سخن میں بامقصد اور سنجیدہ طنز نگاری کے تقاضوں سے بلند مرتبہ اور باصلاحیت فنکار ہی عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اصول بنا رکھا ہے کہ کسی شاعر کے متعلق رائے قائم کرتے ہوئے دیکھتا ہوں کہ وہ طنز سے کسی حد تک اور کیسا کام لے سکا ہے''(لاگ لپیٹ کے بغیر''،ص ۷۰،ازمظفرؔحنفی )

لہٰذا چلیئے دیکھتے ہیں کہ عزیزؔ صاحب نے اپنی غزلوں میں طنز سے کس حد تک اور کیسا کام لیا ہے

ہوری ہے ابتدا تعمیر کی کچھ اس طرح ۔بن رہے ہیں کاغذوں پر مفلسوں کے کچھ مکاں
اسے تمیز حلال وحرام کی ہے کہاں ۔ جو صبح وشام شریعت کی بات کرتا ہے
ہمارے یاروں کے ہیں ہم پر کافی احسانات۔ ستم کرے کوئی دشمن یہ کیا ضروری ہے
صورتیں دیکھ کے جب عدل کیا جاتا نہیں۔ بے گنہ لوگ حوالات کے اندر کیوں ہیں
رکھا گیا ہے خوب مساوات کا خیال ۔اک فرد سے بھی آج مصیبت جدا نہیں

کہیں کہیں غزل میں لہجے کی شوخی چمک دکھا جاتی ہے:

بے سب آپ ہوگئے برہم ۔آئینے کا نہیں ہے کوئی قصور
یار کا فون مرے کیا بگڑا ۔بات کرنے کا سلسلہ ٹوٹا

وہ کسی بھی واقعہ یا سانحہ کے روشن پہلو پر نگاہ رکھنے پر یقین رکھتے ہیں۔یہی مثبت سوچ زندگی میں کامیابی سے ہم کنار کرتی ہے:

میں وفاداری کا شیوہ ترک آخر کیوں کروں
بے وفا کچھ لوگ ہیں سارا زمانہ تو نہیں
دھیرے دھیرے ہوگئیں کافور ساری سوزشیں
رفتہ رفتہ مندمل ہر زخم دل کا ہو گیا
ہوتے ہوتے ایک دن تکلف ہوجاتی ہے دور۔ زخم یادوں کا جگر میں عمر بھر پلتا نہیں
مسکرا کے جو اس نے کہا بعد مدت کے مجھ کو عزیزؔ
دل کی چوٹیں یقیں کیجئے خود بخود مندمل ہوگئیں

وہ مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک ہیں۔سادگی ان کا مزاج ہے۔جب وہ سہلِ ممتنع میں اپنے افکار کو شعری پیکر عطا کرتے ہیں:

کوئی چلا جنوں کے کوئی آگہی کے ساتھ۔ چلنا پسند میں نے کیا سادگی کے ساتھ
زندگی کا بھروسہ کیا معنی۔ یہ تو کاغذ کی ایک ناؤ ہے
چشم پوشی نہ کیجئے یکسر ۔کم سے کم چشمِ تر ذرا دیکھیں
ہوگئے جب عزیزؔ گوشہ نشیں۔ ڈھونڈ نے ان کو ہر بشر نکلا
بدل دوں میں خُو اپنی ممکن نہیں ہے۔محبت سے پیش آنا فطرت ہے میری
تباہی پر مری خوش ہونے والے۔نگاہِ برق میں تیرا بھی گھر ہے
باطن تو ہے تاریک مگر آج کا انساں۔ظاہر کی چمک اور دمک دیکھ رہا ہے

غزل تغزل سے عبارت ہے۔شاعری ہو اور دل کی بات نہ ہو‘عشق کا تذکرہ نہ ہو‘ وصال وفراق کا ذکر نہ ہو غزل کی حلاوت کم ہو جاتی ہے۔والہانہ پن‘ چاک دامنی‘ صحرا نوردی‘محبوب کی گلیوں کے طواف کے بیان کے بغیر غزل میں ملاحت نہیں آتی۔عزیزؔ صاحب کی غزل میں تغزل کی کیفیات ملاحظہ فرمائیے:

تو میرے پاس نہیں ہے تو کیا ہوا دلبر
ترے خیال کی خوشبو سے دل معطر ہے
ندیم اس کے خیالوں میں کبھی میرا بسیرا تھا
تصور میں مرے ہر وقت رہتا تھا کبھی وہ بھی
عزیزؔ اس کے لیے اکثر رہا کرتے تھے ہم غم گیں
ہمارے واسطے مغموم رہتا تھا کبھی وہ بھی
اس دل کی حفاظت پہ ہیں مامور فرشتے
جس دل میں ترے پیار کی جاگیر نہاں ہے

کبھی ان کی شاعری میں کامیاب زندگی کے لیے نصیحت آموز مجرب نسخوں کا اندراج ہوتا ہے:

عزت ملے گی اس کو جہاں میں ہر اک جگہ۔ ملتا ہے جو سبھی سے بڑی عاجزی کے ساتھ
ہر دل عزیز بننا اگر چاہتے ہو تم ۔حسنِ سلوک کرتے رہو ہر کسی کے ساتھ
خیر وبرکت کے لیے اپنی تجارت میں عزیزؔ۔ شے کوئی بھی ہو ترازو میں برابر تو لو

مولانا حالؔی نے صداقت کو شاعری کا جزوِ لازم قرار دیا ہے۔عزیزؔ صاحب مولانا کے اصول پر صاد کرتے ہویے کہتے ہیں:

ہمت جدا نہیں ہے جسارت جدا نہیں ۔لوح وقلم سے میرے صداقت جدا نہیں
سامعینِ اہلِ ادب تم سے گزارش ہے مری
میرے شعروں میں صداقت ہو تو حق ہے بولو

حضورِ اقدس ﷺ کے ارشاد کا مفہوم ہے کہ میں دنیا میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں تو یہ سند ہے اس بات کی کہ پیشۂ معلّمی تقدس مآب تھا‘ ہے اور رہے گا۔خوش

نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں معلم کہا جاتا ہے اورحتی الوسع اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے کی سعیٔ مشکور کرتے ہیں۔عزیز صاحب چونکہ اس پیشے سے وابستہ رہے اور بحیثیت معلم کامیاب بھی۔لہٰذا فی زمانہ اس پیشے کی بدلتی اقدار اور معلمین کی ذمہ داری اور کردار پر وہ سوالیہ نشان لگاتے نظر آتے ہیں:

پست تعلیم کا معیار خدا خیر کرے۔سو گئے قوم کے معمار خدا خیر کرے

آرزو کی تجسیم کر کے عزیز صاحب نے بڑے خوبصورت شعر کہے ہیں:

فصل پانے کی تمنا چھین لے مجھ سے کوئی۔تنگ اتنا آ گیا ہوں بوتے بوتے آرزو

مسکرانے لگتی ہے یکلخت ساری کائنات۔مسکرانے لگتی ہے جب روتے روتے آرزو

ایک مطلع عزیز صاحب نے ایسا بھی کہا ہے جس میں انسانی قلم کی لغزش کا اعتراف بھی ہے اور معذرت بھی (میں بھی اپنے رشحاتِ قلم کے لیے ان کے خیال سے اتفاق کرتا ہوں اور ان کی بات پر صاد کرتا ہوں۔

ہے خامیوں سے مبرّ اتمام دنیا میں۔خدائے پاک کا اطہر کلام دنیا میں

ان اشعار کی روشنی میں بلاتردد یہ کہا جا سکتا ہے کہ عزیز صاحب کی غزل گوئی ان کے اپنے تجربے اور مشاہدے کی مکمل عکاسی کرتی ہے۔''دھواں دھواں بدن'' میں ان کی غزلوں کو اہلِ ذوق حضرات اور ادب نواز طبقے نے پسندیدگی اور ستائش کی نگاہوں سے دیکھا۔''عکسِ حیات'' کی غزلیں گویا ان کی غزل گوئی کا توسیعی سفر ہے۔''عکسِ حیات'' ان معنوں میں اسم بامسمیٰ بھی ہے کہ اس میں حیاتِ شاعر کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

ایک بڑی کامیابی کسی شاعر کے لیے یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے افکار و اشعار میں' اس کے ابلاغ و اظہار میں اور اس کی ذاتی زندگی اور شخصیت میں مماثلت پائی جاتی ہو' سادہ مزاجی شخصیت کا حصہ ہو اور شعروں میں سادگی ہو' طیب و طاہر رہن سہن ہو اور افکار میں پاکیزگی و نظافت ہو' خوش خلقی' خوش اطواری کا عنصر اس کی فطرت ہو اور خیالات بھی اس کی عکاسی کرتے ہوں۔یہ خوبی کم ہی لوگوں کا مقدر ہوتی ہے۔عزیز خاں عزیز خوش نصیب ہیں یا ان کے نام کی برکت ہے کہ وہ اپنے شہر' اپنے علاقے' اپنے ہم چشموں' اپنے شاگردوں' اپنے رشتہ داروں اور اپنے عزیزوں کے عزیز ہیں۔

کسی بھی شاعر کے اخلاق و کردار اور اشعار و افکار مین یک رنگی شاذ و نادر ہی ملتی ہے۔عزیز خاں عزیز کی شاعری کو پڑھیے تو ان کی شخصیت کا خاکہ ذہن میں ابھر کر آتا ہے اور شخصیت پر غور کیجیے تو ان کی شاعری کی سادگی' خیالات کی پاکیزگی' بغیر پیچ و خم والی راست روی کی خو بو' افکار کی بالیدگی نیز عادات و اطوار کی سلیقہ مندی متشکل ہو کر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔یہی ان کی انفرادیت بھی ہے اور یہی ان کی کامیابی بھی۔

☆☆☆

**(تعارف وتبصرہ کا بقیہ)**

ہوئی جب شام سورج نے دیا دھوکہ اجالے کو
مگر ہم نے بہر صورت ہر اک رشتہ نبھایا ہے

موصوف غلامانہ طرزِ حیات کو بہ رضا و رغبت اپنا لیے جانے کو معاشرے کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

موت ہو چکی واقع میں یقیں سے کہتا ہوں
لوگ جب غلامی کو زندگی سمجھتے ہیں

عزیز خاں صاحب نے اپنے جن مشاہدات اور وارداتِ قلبی پر اپنے شعری عمل کی بنیاد رکھی ہے ان میں مسلمانانِ عالم کی زبوں حالی' دبے کچلے معاشرے کی عکاسی اور اپنے عہد کی آواز کو صاف سنا جا سکتا ہے۔

دے رہے ہیں کہاں کہاں دستک۔ اپنا مطلوب کھو گیا جیسے

ہمارا نام چن چن کر کتابوں سے مٹاتی ہے
سیاست کی نظر آخر کہاں تک ظلم ڈھائے گی

ایک دوست بدگماں سے ہوئی گفتگو طویل
افسوس ذہن و دل کی صفائی نہ ہو سکی

محمد بشیر جمعہ اپنی کتاب ''شاہراہِ زندگی پر کامیابی کا سفر'' میں لکھتے ہیں ''امام رازی کا قول ہے کہ میں نے سورہ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا ہے جو بازار میں آوازیں لگا رہا تھا، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے۔اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا یہ ہے ''والعصر ان الانسان لفی خسرِ'' کا مطلب۔عمر کی جو مدت انسانوں کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو انسان کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔حکمت کے جو پھول ''زبان رازی'' کی ٹہنی پہ کھلے تھے انہیں پھولوں کی مہک مجھے عزیز صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے درج ذیل شعر میں محسوس ہو رہی ہے۔

اپنا وجود ایسے فنا ہو رہا ہے دوست
جیسے کسی کے ہاتھ میں قلفی ہو برف کی

الحاج عزیز صاحب ایک مؤقر شخصیت کے مالک ہیں۔روزِ جزا کا جامع تصور رکھتے ہیں۔اپنے اوصاف سے باخبر ہیں پھر بھی خوش فہمی انہیں اپنے دامِ فریب میں لینے سے قاصر ہے کیونکہ محاسبہ ان کا شیوہ ہے۔

عزیز پارسا ہیں کس قدر خدا جانے۔معاملہ ابھی میزان تک نہیں پہنچا

خدا کرے کہ آپ کا طائرِ فنِ سخن سدا ادبی فضاؤں میں مستِ پرواز رہے اور آپ کے کلام سے جہانِ اردو مستفیض ہوتا رہے۔.........آمین......

☆☆☆

# عزیز خاں عزیز کے تخلیقی گل بوٹے

## غــــــــزلیــــــــات

اک دیا ظلمت مٹانے کے لیے جلتا نہیں
کاتبِ تقدیر کا لکھا ہوا مٹتا نہیں
یا الٰہی اہلِ حق کے حق میں کر دے فیصلہ
بے اجازت تیری منصف کا قلم چلتا نہیں
تابنا کی کم نہیں ہوتی کسی بھی دور میں
دوستو! سورج محبت کا کبھی ڈھلتا نہیں
میرے سینے میں اگر دل کی جگہ ہوتا جو سنگ
آپ کا بخشا ہوا غم پھولتا پھلتا نہیں
ہوتے ہوتے ایک دن تکلیف ہوجاتی ہے دور
زخم یادوں کا جگر میں عمر بھر پلتا نہیں
شخصیت میں اے عزیزؔ اس کی نہیں آتا نکھار
آدمی اخلاق کے سانچے میں جو ڈھلتا نہیں

ہوگئی پوری ہماری ہوتے ہوتے آرزو
نیند میٹھی سو گئی ہے سوتے سوتے آرزو
سسکیاں پر سسکیاں لیتی رہے گی کب تلک
چھوڑ دے گی دم کسی دم روتے روتے آرزو
فصل پانے کی تمنا چھین لے مجھ سے کوئی
تنگ اتنا آگیا ہوں بوتے بوتے آرزو
چلتے چلتے رک رہا ہے لینے دم ہر گام پر
ناتواں دل تھک گیا ہے ڈھوتے ڈھوتے آرزو
مسکرانے لگتی ہے یک لخت ساری کائنات
مسکرانے لگتی ہے جب روتے روتے آرزو
دیکھے گی کیوں کر بہاریں جانبِ دل اے عزیزؔ
سونا سونا ہوگیا دل کھوتے کھوتے آرزو

دیکھئے قدرت کا یہ کیسا کرشمہ ہوگیا
تجھ کو رسوا کرنے والا خود ہی رسوا ہوگیا
بعد مدت کے ادھر تیرا جو آنا ہوگیا
غم کے بادل چھٹ گئے موسم سہانا ہوگیا
بےقراری پھر وہی ہے، پھر وہی ہے اضطراب
عشق کا سمجھا تھا میں نے ختم قصہ ہوگیا
دھیرے دھیرے ہوگئیں کافور ساری سازشیں
رفتہ رفتہ مندمل ہر زخم دل کا ہوگیا
جا رہے ہو تم کہاں اس چلچلاتی دھوپ میں
چھاؤں ٹھنڈی دینے والا پیڑ بوڑھا ہوگیا
دوستوں کو متحد کرنے کو نکلا تھا جوں ہی
دشمنوں کا مجھ پہ حملہ قاتلانہ ہوگیا

مشرقی تہذیب کی اک بولتی تصویر ہے
با حیا شرمیلی لڑکی قوم کی تقدیر ہے
میری سوچوں سے بھی بالاتر نکلنا آپ کا
خوبصورت خواب کی گویا حسیں تصویر ہے
دیجیے مجھ کو سزا اتنا مگر بتلائیے
میں نے چاہی تھی محبت، یہ بھی کیا تقصیر ہے
کارفرمائی تمہاری آنکھ کی اللہ قسم
جوں ہی نکلا دل میں اتر امرحبا کیا تیر ہے
ہِل پڑے گی یہ زمیں، تھرّا اٹھے گا آسماں
اس قدر مظلوم کی فریاد میں تاثیر ہے
دیکھتے ہی کہہ اٹھے نور" علیٰ نورِ عزیزؔ
نور کے کاغذ پہ جیسے نور کی تحریر ہے

گزرتے ہیں دن ایسے عمرِ رواں کے
گزرتے ہیں دن جس طرح امتحاں کے
ہمیں کیا لبھائے گا رنگِ زمانہ
کئی روپ دیکھے ہیں ہم نے جہاں کے
اندھیرا مقدر پہ چھانے لگا جب
ستارے بھی چھپنے لگے آسماں کے
نبھاتے ہیں قسمیں وہ جی جان دے کر
جو ہوتے ہیں پابند اپنی زباں کے
کبھی ابر گرجے کبھی برق چمکے
سبھی گل ہیں سہمے ہوئے گلستاں کے
مسائل سخن کے اے حل کرنے والو!
سوالات قائم ہیں اپنے مکاں کے

میسر کسی کی حمایت نہیں ہے
غریبوں کی دنیا میں قیمت نہیں ہے
سبھی لوگ بستی میں اپنے ہیں لیکن
کسی کے بھی دل میں مروّت نہیں ہے
رسالوں میں چھپتے ہیں افسانے لیکن
حقیقت کی کوئی اشاعت نہیں ہے
مرے پاس آکر ذرا دیکھیے گا
مجھے تو کسی سے عداوت نہیں ہے
ہے پیشِ نظر احترامِ محبت
ہنسی ہے لبوں پر شکایت نہیں ہے
کوئی بات چھوٹی نہیں دل کو یارو!
فسانے میں ان کے حقیقت نہیں ہے

# غزلیات


## عبدالمجید فیضی سمبلپوری
12/106,Nayapara
Sambalpur-768001(Odisha)


موسم کے ساتھ لوگوں کے چہرے بدل گئے
فکر و نظر کے سارے قرینے بدل گئے
جو اہلِ عز و جاہ تھے اب بے وقار ہیں
جو ایسے ویسے لوگ تھے کیسے بدل گئے
تقدیر بے سہاروں کی بدلی نہ آج تک
امراء کے طرزِ فکر کے دھارے بدل گئے
لب پر ہے کچھ تو دل میں نظر میں ہے اور کچھ
نیتاؤں کے سیاسی وتیرے بدل گئے
انصاف و عدل کا بھی ہے مفہوم اور کچھ
نظم و نسق کے دھارے کے دھارے بدل گئے
فیضی جو اپنے تھے وہ پرایے ہیں آج کل
ہمدرد جو کبھی تھے ہمارے بدل گئے


## عظیم انصاری
RahmatManzil.20/2,B.P.Road
P.O:Jagatdal.DT:24Pargnas(North)


پتہ نہیں کہاں لے جایے ولولہ دل کا
خرد کے ہاتھ ہے اب تو معاملہ دل کا
جو بات سچ تھی اسے میں نے کہہ دی محفل میں
کسی دباؤ میں بدلا نہ فیصلہ دل کا
کبھی مٹایے نہ مٹ پایے گا جہاں والو
نگاہِ مست کا صدقہ ہے مشغلہ دل کا
لہو کا رنگ سفیدی میں ہوگیا تبدیل
عجیب موڑ پہ پہنچا ہے مرحلہ دل کا
ابھی تو کرنا ہے خلوت کا اہتمام مجھے
تم اپنے پاس ہی رکھو یہ مسئلہ دل کا
کہیں رکا ہے نہ رک پایے گا عظیم کبھی
کسی کی دید کی خواہش میں قافلہ دل کا


## اختر شاہجہانپوری
RangeenChaupal
Shajahanpur-242001(U.P)


آج کوئی غم بہ اندازِ دیگر آنے کو ہے
شاخِ گریہ تجھ پہ بے موسم ثمر آنے کو ہے
سر بریدہ جسم تو آ ہی چکے ہیں جنگ سے
اور کیا اب فتح کی کوئی خبر آنے کو ہے
مہکے مہکے راستے ہیں تتلیاں ہیں رقص میں
ایسا لگتا ہے کہ میرا ہم سفر آنے کو ہے
کچھ نظر آتا نہیں ہے روشنی کے باوجود
زندگی کا کارواں جس موڑ پر آنے کو ہے
یہ تو دشتِ بے اماں ہے اے رفیقانِ سفر
پھر یہ کیوں محسوس ہوتا ہے کہ گھر آنے کو ہے
با خبر رہتا تھا اختر جو مرے احوال سے
اب عیادت کو مری وہ بے خبر آنے کو ہے


## ڈاکٹر وصی مکرانی واجدی
Sarlahi.Nepal


اس زندگی سے کب بھلا ڈرتا ہے آدمی
ہر دن غمِ حیات سے لڑتا ہے آدمی
نفرت کے تیر جب بھی برستے ہیں شہر میں
ہاتھوں سے آدمی ہی کے مرتا ہے آدمی
کرتا نہیں جو کام ہے دنیا میں کوئی اور
ہر کام وہ جہان میں کرتا ہے آدمی
جب تک لگیں نہ ٹھوکریں راہِ حیات میں
تب تک کسی طرح نہ سدھرتا ہے آدمی
حیوان شرمسار ہے انساں کو دیکھ کر
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے آدمی
ہوتا رہا ہے سرخرو ہر دور میں وہی
دنیا کو ساتھ لے کے جو چلتا ہے آدمی
ہر مسئلہ وصی جی اسے کرتا ہے سلام
لے کر جو عزم گھر سے نکلتا ہے آدمی


## ڈاکٹر قطب سرشار
H.No:5-198.B/1,Seshadri
Nagar.MahboobNagar-1(T.S)


عیارِ فکر غلط نظمِ زندگی بھی غلط
پیامِ صبح غلط ردِّ تیرگی بھی غلط
سیاہ شب ہے دیے بھی لہو سے جلتے ہیں
کہ نفرتوں کے چراغوں کی روشنی بھی غلط
صحیفہ بند دریچے بھی بند ذہنوں کے
رحیقِ حرف و ہنر رمزِ بے خودی بھی غلط
حسین چہرے پہ غازہ بجھی بجھی سی نظر
سیاہ زلفوں سے چھنتی سی چاندنی بھی غلط
عجیب کھوج ہے آفاق میں ہے گم انفس
بلیغ فلسفہ و زعمِ آگہی بھی غلط
وہ آگ جس سے ہو لازم وجود خاکستر
شرارِ جاں بھی غلط حسنِ شعلگی بھی غلط
چلے بھی آؤ صحیفے کا در کھلا ہے ابھی
رہِ بقا میں تردد بھی بے رخی بھی غلط


## محسن باعشن حسرت
4,PrincepStreet.1st Floor
Kolkata-700072(W.B)
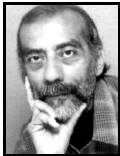

اٹھا کر جب نقابِ حسن تم محفل میں آؤ گے
مجھے مدہوش ہوجانے سے کیا تم روک پاؤ گے
زباں پر تو لگا سکتے ہو تم پابندیاں لیکن
کہو کیا میرے ہاتھوں سے قلم بھی چھین پاؤ گے
ہم اپنے درد و غم پل بھر میں سارے بھول جائیں گے
ہمارے سامنے آکر اگر تم مسکراؤ گے
مٹادو گے نشانِ قتل دامن سے چلو مانا
مگر تم آستیں کے خون کو کیسے چھپاؤ گے
کیا احسان جو تم نے اسے کیسے بھلائیں ہم
بچھڑ کر ہم سے تم حسرت بہت ہی یاد آؤ گے

## ڈاکٹر علی عباس امید

Doctor'sColony.EidgahHilla
Bhopal-462001(M.P)


فکر بدلی اور سبھی قصے پرانے ہوگئے
دل کی آنکھوں میں بسے چہرے پرانے ہوگئے
میں نے بس اتنا کہا تھا پاپ کی جڑ جھوٹ ہے
میرا بیٹا بول اٹھا سچّے پرانے ہوگئے
شاخ سے جب تک جڑے تھے زندگی بھرپور تھی
شاخ سے بچھڑے تو سب پتّے پرانے ہوگئے
وقت کی رفتار ان حالات سے پوچھو کہ جو
صرف پل بھر کے لیے ٹھہرے پرانے ہوگئے
بھوک' بیکاری' بھرشٹاچار اور آتنک واد
دل میں بیٹھا اس طرح بچّے پرانے ہوگئے
میں جانے والی رت کو پڑھنا چاہا تھا امید
سب یہی بولے کہ یہ صفحے پرانے ہوگئے


## حنیف عجمی

FaisalVilla.Nayapara.Dhamtari
Dist:Dhamtari-403773(C.G)


وہ اٹھ کے کمرے سے میرے جب اپنے گھر جایے
اسی کو دیکھوں جہاں تک مری نظر جایے
بہت دنوں سے مرے خون میں ہے طغیانی
اگر وہ چاہے تو دریا ابھی اتر جایے
بغیر عشق شہادت نہیں ملا کرتی
شہید وہ ہے ترے عشق میں جو مر جایے
ہوس میں پڑ کے میں خود ہی بکھر گیا ورنہ
وہ چاہتا تھا مری زندگی سنور جایے
مرا ہنر تو مری شخصیت میں پنہاں ہے
وہ کم نظر ہے جو میرے لباس پر جایے
فنا کے بعد بھی جس کو بقا کی خواہش ہو
وہ خاک بن کے تری راہ میں بکھر جایے
ابھی تک اس نے یہی طے نہیں کیا عجمی
وہ ڈوب جایے کہ دریا کو پار کر جایے


## اقبال احمد نذیر

K.S.A,Glaxy1003,10thFloor
3rdSankliStreet.NearEWard
Office.Byculla.Mumbai-400008


اپنا گھر چھوڑ کے میں تو نہیں جانے والا
آج تنہا ہوں تو کوئی نہیں آنے والا
اب تو ملنے کے لیے کوئی بھی آتا ہی نہیں
وہ بھی اک وقت تھا جب آتا تھا آنے والا
شاخ وہ ٹوٹ گئی جس پہ تھا اپنا ڈیرا
اب وہ سایہ بھی نہیں سر میرے آنے والا
بڑی خوش حالی سے دن اپنے گزرتے تھے سدا
وہ حسیں دور بھی اب تو نہیں آنے والا
اس کی یادیں ہی رہا کرتی ہیں بس دل میں نذیر
لوٹ کے آتا نہیں دنیا سے جانے والا


## عثمان غنی

G.N.SaniaHouse.FlatNo-204
LaxmiNagarColony.Sujathanagar
Post.Visakhapatnam-530051


پل میں نہیں ہے پل کی بات
کون سنے گا کل کی بات
ایک دھماکہ سو اموات
کیا پوچھیں گھائل کی بات
ظالم حاوی مظلوموں پر
بستی میں جنگل کی بات
ختم ہوا اب امن کا دور
ہر لب پر دنگل کی بات
جھوٹ سے ہیں مانوس سبھی
سچ لاگے پاگل کی بات


## مدہوش بلگرامی

224,BaheraSaudagarEast
Hardoi-241001(U.P)


تو اگر چاہے مجھے نقرئی موسم دے دے
چاند آنگن میں کرے رقص وہ سرگم دے دے
آپ کا ترکِ تعلق نہیں جینے دے گا
روح کے زخم کو تجدید کو مرہم دے دے
تھک گیا بوجھ اٹھانے سے ترا ذہن تو پھر
اپنے خوابوں کا نئی نسل کو پرچم دے دے
روز جی بھر کے پلاتا ہے مجھے اے ساقی
جام سے کم ہے اگر آج تو پھر کم دے دے
چاہتا ہوں کہ مرا بھی ہو نگہباں کوئی
خشک دھرتی کو خدا قطرۂ شبنم دے دے
آئینے میں نیا پیکر نہیں ابھرا مدہوش
میرے ٹوٹے ہوئے خوابوں کا ہی البم دے دے


## نذر فاطمی

Al NoorMansion,
Opp:MahavirCancerSansthan
HaroonNagar.PhulwariSharif
PATNA-801505(Bihar)


مرادوں کا کھنڈر ہے اور میں ہوں
دعائے بے اثر ہے اور میں ہوں
سنا ہے نکلی ہے ان کی سواری
دیا دہلیز پر ہے اور میں ہوں
کبھی تو زاویہ ہوگا موافق
ستاروں پر نظر ہے اور میں ہوں
بہت وزنی ہے ارمانوں کی گٹھری
حیاتِ مختصر ہے اور میں ہوں
سرِ تسلیم خم ہے میرے آگے
وہ اب بیداد گر ہے اور میں ہوں
گندھے ہیں صبر کے دھاگے میں موتی
بکھر جانے کا ڈر ہے اور میں ہوں
ستم ہر روز نذر اس بے وفا کا
بہ اندازِ دگر ہے اور میں ہوں

## مومن خاں شوق
AshrafVilla.11-3-723
Mallepally.Hyderabad-500001


خوشی جو دے نہ سکیں ایسے ماہ وسال نہ دے
عروج دینا اگر ہے تو پھر زوال نہ دے
الجھ گئی ہے میری زندگی سوالوں میں
ملے جواب میں مجھ کو وہی سوال نہ دے
گزر رہا ہوں تصور میں جن مقاموں سے
وہیں بھٹکتا رہوں ایسا پھر خیال نہ دے
غموں کی دھوپ میں خوشیاں تلاش کرتا ہوں
خوشی کی دے جو صدی غم کے ماہ وسال نہ دے
پھرو نہ شوق میں دیوانہ وار گلیوں میں
کہیں یہ شوق برے راستوں پہ ڈال نہ دے


## نظام مجھولیاوی
AtRamdasMajhauli.P.O:Bochhan
Dist:Muzaffarpur-843103(bihar)


ڈھکے چھپے کو بھی یکساں ہر آن دیکھتا ہے
ہر اک عمل کو خدائے جہان دیکھتا ہے
حسب نسب نہ خدا خاندان دیکھتا ہے
جبیں پہ سجدوں کا باقی نشان دیکھتا ہے
ادیب صرف نہ اونچا بیان دیکھتا ہے
سلیقہ، طرزِ ادب اور زبان دیکھتا ہے
دیا ہے علم خدا نے تو کر عمل اس پر
ترے عمل کو خدا بے گمان دیکھتا ہے
ولی کو دی ہے بصیرت کی روشنی رب نے
زمیں پہ بیٹھ کے سارا جہان دیکھتا ہے
بھروسہ صرف خدا پر تو رکھ نظام الدین
کرم وہ کرتا ہے وہ مہربان دیکھتا ہے


## یوسف جمال
BHattaPadaRoad.Rajgangpur
Dist:Sundargarh-770017
(Odisha


مہماں تھا ایک پل کا ایسا ہی لگ رہا تھا
یہ وقت تھا اجل کا ایسا ہی لگ رہا تھا
ظالم کے ظلم پر بھی لب چپ تھے اس لیے کہ
باشندہ تھا محل کا ایسا ہی لگ رہا تھا
کیچڑ اسے نہ سمجھو دلدل کی گود میں بھی
کھلتا ہے گل کنول کا ایسا ہی لگ رہا تھا
رہنے دو راز اس کو جو کھل گیا تو سن لو
مچ جایے گا تہلکہ ایسا ہی لگ رہا تھا
دعویٰ تھا اس پہ سب کا سب حق جتا رہے تھے
تھی سب کے دل کی ملکہ ایسا ہی لگ رہا تھا


## مسلم نواز
C\O:BaitulKasim.1
2/3/H/1,PatwarBaganlane
Kolkata-700009(W.B)


میں خود کو مطلعِ انوار کر نہیں سکتا
کہ اپنی سوچ کو بازار کر نہیں سکتا
اجالا مانگنے آیے ہیں آپ لے جائیں
یہ حق ہے آپ کا انکار کر نہیں سکتا
جو آنا چاہے وہ بیٹھک میں میری آجایے
میں چند لوگوں سے دربار کر نہیں سکتا
بلندیوں پہ پہنچ کر بھی جس کو زعم نہیں
وہ اپنے آپ کو اخبار کر نہیں سکتا
میں اس سے پیار تو کرتا ہوں ٹوٹ کر لیکن
زباں سے اپنی میں اظہار کر نہیں سکتا
ہے جس کو خوف کہ لہروں میں ڈوب جایے گا
نواز وہ تو ندی پار کر نہیں سکتا


## کے انیس اظہر
374,KhateebStreet.Periapet
Vaniyambadi>DT:Vellore-635751


ان کے اتنے کرم نہیں ہوتے
میکدے میں جو ہم نہیں ہوتے
زاہد و پارسا میں ہو جاتا
تم جو میرے صنم نہیں ہوتے
جو نبی کے غلام ہوتے ہیں
حوصلے ان کے کم نہیں ہوتے
تو مجھے ہوشیار کہتا ہے
تیرے حربے بھی کم نہیں ہوتے
قد و قامت کی بات کرتے ہو
گفتگو میں تو ہم نہیں ہوتے
سر جھکانے سے جاں اگر بچتی
سر کبھی اپنے خم نہیں ہوتے


## ادھو مہاجن بسمل
Vedant>PlotNo:12>Pragati
Garden.BadheBasti.Mundwa
Pune-411039.Mob-8329500284


ظاہر کی آنکھ سے ہمیں دیکھا نہ کیجئے
نظریں ملا کے ہم سے چرایا نہ کیجئے
یہ بتکدہ نہیں ہے یہ دل ہے ہمارا دل
یوں اس میں روز ایسے تو آیا نہ کیجئے
شعلے جہاں میں عشق کے پھر نہ دہک اٹھیں
یوں بے نقاب گھر سے تو نکلا نہ کیجئے
کچھ بیج ہم نے عشق کے غزلوں میں بو دیے
چاہت کے بیج ہیں انھیں کچلا نہ کیجئے
آدابِ عشق ہم تو ابھی جانتے نہیں
بے پردہ سامنے کبھی آیا نہ کیجئے
تصویر یار کی نہ کہیں کھینچ لے کوئی
بسمل غزل میں اس کا سراپا نہ کیجئے

## قاضی انصار

H.No:4A.AnupamGasAgency
.ShikhshakNagar
Khandwa(M.P)

جب جب بھی انصار ملا ہے
فکروں سے دوچار ملا ہے
خوابوں میں گلشن دیکھے ہیں
تعبیروں میں خار ملا ہے
سورج نے جب آنکھیں کھولیں
ہر ذرّہ بیدار ملا ہے
دکھ پہنچا احباب سے اکثر
دشمن دشمن پیار ملا ہے
سچ کے لیے انصارؔ ہمیشہ
آمادہ تیار ملا ہے

## شکیل سہسرامی

NearRahmanMasjid.Mohala
Samanpur.RajaBabazar.
Patna-14(Bihar)

ادب وہی ہے جو انسان کو بنا ڈالے
عمل وہی ہے جو اطراف کو جگا ڈالے
ہجوم سا ہے ابھی مچھلیوں کا دور تلک
کہو کہ جال وہ تالاب میں بڑا ڈالے
چہار سمت یہاں راج ہے لٹیروں کا
دکان کیوں نہ یہاں سے کوئی بڑھا ڈالے
ہمیں تو خوف اسی بات کا ستاتا ہے
اسی کی آگ اسی کو نہیں جلا ڈالے
مشاعروں میں اگر بے نظیر ہونا ہے
تلاش کرکے غزل میں وہ قافیہ ڈالے
مری نظر کی کسوٹی ہے اے شکیلؔ میاں
غزل وہی ہے جو انسان کو ہنسا ڈالے

## فطین اشرف صدیقی

B-102,AkhlaqApartment
LalDiggiRoad.Near I.G.Hall
CivilLines.Aligarh-202002(U.P)

ہر آن شکرِ نعمت یزداں کریں گے ہم
توبہ! کبھی جو تنگیٔ داماں کریں گے ہم
تا آنکہ کفر ختم نہ ہوجایے دہر سے
ہر دل میں پیدا جذبۂ ایماں کریں گے ہم
موقع تو آپ دیجئے خدمت کا ایک بار
جشنِ طرب حضور کے شایاں کریں گے ہم
ہر فردِ ظلم و جبر کے ہاتھوں ہے اشک بار
کس کس کے حالِ زار پہ پرساں کریں گے ہم
کوئی کسی سے کم نہیں حسن و جمال میں
اب کس کو دل کی بزم کا مہماں کریں گے ہم
اشرفؔ کسی سے کیوں رکھیں امید خیر کی
خود اپنے رنج و درد کا درماں کریں گے ہم

## شبّیر ساجد

ShaheenManzil.SalojaColony
GaliNo-2.NearHusainyMasjid
.At/P.O:Khandwa.
Dt:NimadWest-450001(M.P)

گر زمانے کے ساتھ چلنا ہے
تو مکمل ہمیں بدلنا ہے
گر کے اٹھنا بھی ہے ضروری بس
یعنی گر کر ہمیں سنبھلنا ہے
اور بٹنا نہیں ہے فرقوں میں
ایک سانچے میں ہم کو ڈھلنا ہے
ہر طرف راج ہے اندھیروں کا
بن کے سورج ہمیں نکلنا ہے
دین و دنیا سے ہوگئے غافل
تیری یادوں سے اب نکلنا ہے
وقت کا یہ تقاضا ہے ساجدؔ
ساتھ اب سب کو لے کے چلنا ہے

## منیر سیفی

Samanpur.MalikLane
B.V.C,Patna-800014(Bihar

آتا جاتا ہوں دم بہ دم کیسے
فرش تا عرش اک قدم کیسے
گھوم پھر کر ہے ایک ہی مرکز
سب ہی رستے اسی میں ضم کیسے
آج تک میں سمجھ نہیں پایا
کیسی خوشیاں ہیں اور غم کیسے
یہ کرشمہ ہے اس کی آنکھوں کا
شعلہ شبنم ہوپے بہم کیسے
دوست ہے یہ منیرؔ بچپن کا
جیتے جی چھوڑ دوں قلم کیسے

## رفیق عثمانی

Opp:AjmaliyaMasjid.NehruNagar
Akola-444003(M.S)

بکھر نہ جاؤں کہیں ٹوٹ کر سنبھال مجھے
جو تجھ کو سانچہ پسند ہے اسی میں ڈھال مجھے
ملیں گے تجھ کو وفا و خلوص کے موتی
اتر کے دیکھ لے دل میں کبھی کھنگال مجھے
اے زندگی میں تری ہر ادا سے واقف ہوں
جکڑ نہ پایے گا رنگین تیرا جال مجھے
کہ جس سے میں ترا دیوانہ بن کے رہ جاؤں
دکھا دے ایسا کوئی اپنا تو کمال مجھے
جو اس کے رخ پہ جھلکتا ہے اس طرح سے کبھی
نظر نہ آیا کسی گل میں وہ کمال مجھے
وہ مجھ کو بھول گیا اس کا غم نہیں ہے رفیقؔ
میں اس کو یاد نہ آیا یہ ہے ملال مجھے

پروفیسر کرامت علی کرامت

Dewan Bazar Cuttack-753001

# اقبال اور نیا ذہن

یہ سوال کرنا کہ جدید شاعروں پر اقبال کا کیا اثر پڑا ہے اسی طرح ہے جیسے پوچھا جائے کہ یاس یگانہ چنگیزی پر غالب کا کیا اثر پڑا تھا؟۔ بھلا جو بت شکنی کا دعویٰ کرتے ہوں ان کو بت فروشی سے کیا نسبت؟ معاملہ اور بھی پیچیدہ ہو جاتا ہے جب بت شکن خود بت بن کر پوجے جانے کی تمنا رکھتا ہو۔ یہی حال اردو کے بیشتر شاعروں کا ہے۔ تقریباً ہر جدید شاعر غالب اور اقبال کا جواب بننا چاہتا ہے لیکن بقول جگن ناتھ آزاد، اتنی زیادہ تعداد میں غالب اور اقبال کا بیک وقت پیدا ہو جانا ادب کے لئے خطرے سے خالی نہیں۔

جہاں تک حسیت اور شعری رویہ کا تعلق ہے، جدید ذہن بظاہر اقبال کی بہ نسبت میر و غالب سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔ میر اور غالب بنیادی طور پر یاس وحسرت کے شاعر ہیں اور اقبال عزم وعمل کے۔ میر و غالب کو بے خودی وہاں لے جاتی ہے جہاں انہیں ''اپنا انتظار'' ہوتا ہے جبکہ اقبال احساسِ خودی کو مشعلِ راہ بناتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ میر و غالب کے عہد کا سماجی اور سیاسی انتشار ہمارے اپنے عہد کے انتشار سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔ اس لیے جدید شاعروں کی قنوطیت میر و غالب کی قنوطیت سے بہت قریب ہے۔ جبکہ اقبال بنیادی طور پر رجائیت کے شاعر ہیں۔ اور اس رجائیت سے جدید شاعروں کا کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن سچ پوچھئے تو اقبال کی رجائیت اور میر و غالب کی قنوطیت میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ ایک کو عمل کہا جائے تو دوسرے کو ردِ عمل، دونوں لازم وملزوم ہیں۔ دونوں ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ اگر میر و غالب نے پرانی تہذیب وثقافت کو اجڑتے ہوئے اور اس کے ملبے پر ایک نئی تہذیب وثقافت کی عمارت کو بنتے ہوئے دیکھا تھا تو اقبال نے بھی پہلی جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کے پہلو بہ پہلو انقلاب روس کے بطون سے ایک نئے نظام کو ابھرتے ہوئے دیکھا تھا۔ جس کے مساواتی اصول اسلامی اصول سے بڑی حد تک ہم آہنگ تھے۔ مگر جس کی مادہ پرستی اسلامی روحانیت سے متصادم تھی۔ بیسویں صدی کے جن سیاسی، سماجی اور ذہنی انقلابوں نے مغربی ادب میں جدید شاعری کو جنم دیا انھیں انقلابوں نے اقبال کی شاعری کو بھی اقبال کی شاعری بنایا۔ اردو کے جدید شاعروں نے مغربی ممالک کی جدید شاعری کا اتباع تو کیا لیکن یہ لوگ اقبال کی شاعری کو شعوری طور پر نظر انداز کر گئے۔ البتہ انہیں میر و غالب میں اپنے دل کی دھڑکنوں کی بازگشت سنائی دی۔ اقبال اپنے سینے میں قوم وملت نیز وسیع معنوں میں انسانیت کا درد رکھتے تھے۔ کم از کم درد کا عنصر اقبال، میر و غالب میں مشترک تو ہے مگر اقبال کے درد کو جدید شاعروں نے بہت کم پہچانا۔ اگر وہ چاہتے تو اقبال کی شاعری سے بہت کچھ حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ مغربی ادب نے علامتی اظہار کو اپنا وسیلہ بنایا تو اقبال نے ''حدیثِ خلوتیاں'' کے لئے ''رمز وایما'' کو لازمی قرار دیا۔ فرق اتنا ہے کہ مغربی ادبا نئی نئی لفظیات کے سہارے نئی نئی علامتیں تراشتے رہے اور شاعرِ مشرق نے پرانے الفاظ کو نئی معنویت کا زیور پہنایا۔ مغربی ادباء نے اساطیر کی تعمیر ثانی کا بیڑا اٹھایا تو اقبال نے تلمیحات سے استفادہ کیا۔ دونوں کا مقصد ایک تھا لیکن طریقۂ کار الگ الگ۔ اردو کے جدید شاعروں نے مغرب کے طریقہ کار کو اپنایا اور اقبال کے طریقے کو قصداً نظر انداز کر دیا۔

ان سب کے باوجود یہ نہیں کہا جا سکتا کہ غیر شعوری طور پر یہ لوگ اقبال سے متاثر نہیں ہیں۔ ہر پیش رو شاعر کا (خصوصاً جب کہ وہ مشہور ہو چکا ہو) اپنی آنے والی نسل پر غیر شعوری طور پر اثر انداز ہونا فطری بات ہے۔ یہ اثرات اسلوب، لفظیات، شعری آہنگ، داخلی تہیجات، عقائد، فکر کہیں نہ کہیں دریافت کئے جا سکتے ہیں۔ بہر کیف اقبال کے ہم عصروں اور بعد کی نسل پر ان کی شاعری نے کیا اثرات مرتب کئے اس موضوع پر ابھی تک خاطر خواہ کام نہیں ہوا ہے۔ اس پر تفصیل سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ کہنا درست نہیں کہ اقبال کے شارحین، مبصرین نے ایسی بے شمار تحریروں اور کتابوں کے ذریعہ جو فضا بندی کی ہے وہ اقبال کو اپنے آپ میں تنہا عظیم بناتی ہے۔ دراصل اقبال کی فضا بندی ان کی عظمت کی پابند ہے نہ کہ ان کی عظمت فضا بندی کی پابند۔ موصوف بلاشبہہ بیسویں صدی کے سب سے اہم اردو شاعر ہیں۔ ان کا قد اس قدر بلند ہے کہ ان کے مقابلے میں بیسویں صدی کے دوسرے تمام شعراء بشمول فیض وفراق پست قامت نظر آتے ہیں۔ جدیدیوں کے قبلہ وکعبہ ناصر کاظمی اور ظفر اقبال بھی بونے نظر آتے ہیں۔ اگر بیسویں صدی کی اردو شاعری کے سرمایہ سے اقبال کی تخلیقات کو نکال دیا جائے تو اس میں اور کیا رہ جائے گا؟ یہ اقبال اور ٹیگور ہی تو ہیں جن کی وجہ سے بالترتیب اردو اور بنگلہ شاعری کا سرمایہ ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں کے سرمایہ کے مقابلے میں سب سے زیادہ وقیع سمجھا جاتا ہے۔ بلاشبہہ ٹیگور اور اقبال کی شاعری ادب عالیہ کا درجہ رکھتی ہے۔ عظیم شاعری کے لیے جذبات کی

اضافی فراوانی کے ساتھ فکر وفلسفہ کی آمیزش ضروری ہے۔ یوں تو ہر شاعر کے یہاں زندگی کا کچھ نہ کچھ فلسفہ ضرور پایا جاتا ہے‘ لیکن اقبال نے اپنی شاعری میں جس طرح ایک ’’منظّم فلسفہ‘‘ پیش کیا ہے وہ دوسروں کے یہاں پایا نہیں جاتا۔ انہوں نے فلسفے کو جذبات کی آگ میں اس طرح تپا کر پیش کیا ہے کہ یہ فلسفہ شاعری کے سانچے میں ڈھل کر شاعری بن گیا نرا فلسفہ نہ رہا۔ غرض کہ اقبال نے جو ’’فلسفیانہ شاعری‘‘ کی مثال پیش کی ہے وہ عالمی ادب کے لئے ایک نئی چیز ہے۔ ان کا کلام اس قابل ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ مقالے لکھے جائیں۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم اہلِ اردو ’’اقبالیات‘‘ کے سرمایے میں روز بروز جتنا بھی اضافہ کرتے رہیں، ہم نے اب تک اقبال کو صحیح ڈھنگ سے عالمی ادب کے سامنے پیش نہیں کیا۔ اقبال کی نظموں کا ترجمہ انگریزی یا دیگر عالمی زبانوں میں ابھی تک سلیقے سے نہیں ہوا۔ ان کی آواز ابھی تک مشرق وسطیٰ کے عوام تک نہیں پہنچی جن کے لئے ان کا دل تڑپتا تھا۔ ہم کنویں کے مینڈک کی طرح اقبال کو جتنا عظیم شاعر تسلیم کریں‘ یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمی ادب پر ان کا اثر صفر کے برابر ہے۔ عالمی ادب کے دیگر شاعروں مثلاً بودلئیر، ملارمے، ایٹس، اذرا پاؤنڈ، لورکا، ایلیٹ وغیرہ کے ساتھ اقبال کا ذکر کہیں نہیں آتا۔ مجھے امید ہے کہ ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جب بین الاقوامی ادب پر اقبال کے اثرات استوار ہوں گے۔ نیز ان اثرات کی روشنی میں ہماری نئی نسل پھر سے اقبال کی طرف رجوع ہوگی، اور ان کے اثرات کو نئے طور پر قبول کرے گی۔

یہ تو گئی جدید شاعروں کی بات، جہاں تک نئے نقادوں کا تعلق ہے اقبال کی شاعری کے بارے میں یہ لوگ عجیب قسم کی ذہنی تذبذب اور نفسیاتی کش مکش میں گرفتار ہیں۔ ان کے پاس مغربی ادب سے مانگے ہوئے (یا اخذ کئے ہوئے) چند معیار واصول ہیں اور جو کلام ان معیار واصول پر پورا نہیں اترتا اسے شاعری کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ لیکن اقبال کی شخصیت اس قدر مسلّم ہو چکی ہے کہ ان کے خلاف کچھ لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ لوگ جو ترقی پسندی کے پورے سرمایہ کو ایک ہی سانس میں مسترد کر دیتے ہیں، اقبال کے اس قسم کے شعر کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں کرتے۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

چونکہ یہ لوگ ادب میں ہر طرح کی مقصدیت کے خلاف ہیں، اس لئے یہ لوگ عجیب کش مکش میں مبتلا ہیں کہ اقبال کی شاعری کو آخر کس خانے میں رکھا جائے (کیونکہ اقبال کی شاعری زیادہ تر مقصدی شاعری کے ذیل میں آتی ہے) ان حضرات کی نظر میں شاعری تخلیقی عمل کے دوران اپنی ذات میں ڈوب جانے کا نام ہے۔ جبکہ اقبال کے نزدیک شاعری ذات کے اتھاہ سمندر میں ڈوب ڈوب کر ابھرنے کا نام ہے۔ ان نقادوں کے نزدیک محض ’’گرمیٔ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج ہونا‘‘ ہی شاعری ہے جبکہ اقبال کے نزدیک ’’جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے‘‘ کی ترغیبِ عمل بھی شاعری کے زمرے میں شامل ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ پوری جدید شاعری کے سرمایہ میں مجھے اقبال کی چھوٹی سی نظم ’’زمانۂ حاضر کا انسان‘‘ کا جواب کہیں نظر نہیں آیا۔ (حالانکہ یہی موضوع جدید شاعری کا خاص موضوع ہے جس پر اب تک بہت کچھ خامہ فرسائی ہوئی ہے)

’’عشق ناپید وخردمی گزدش صورتِ مار‘‘۔ عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا۔ اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا۔ آج تک فیصلۂ نفع وضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا۔ زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا

غرض کہ اقبال کی شاعری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جدید نقادوں کو اپنا پیمانہ بدلنا پڑے گا۔ اقبالیاتی تنقید کا ایک اور قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ گزشتہ چند دہائیوں سے بعض نئے نقاد جدید علوم وفنون مثلاً علم النفس، علم الانسان، عمرانیات، جمالیات، شماریات، جدید فلسفہ یا پھر جدید مغربی تنقید مثلاً ہیئتی تنقید، اسلوبیاتی تنقید، ساختیاتی تنقید، پس ساختیاتی تنقید، وغیرہ کے اصول کو اقبال کی شاعری پر منطبق کر کے اقبال کی شاعری کے کچھ نئے نئے پہلو دریافت کرنے لگے ہیں۔ اس طرح بھی اقبالیات کے سرمایہ میں مسلسل اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ایسا ہونا اچھا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمارے دوسرے کلاسیکل شعراء بھی تو اس کے مستحق ہیں کہ جدید علوم وفنون کی روشنی میں ان کے کلام کو پرکھا جائے۔ ان بے چاروں پر توجہ کیوں نہیں مرکوز کی جاتی؟ اس کا سیدھا سا جواب یہی ہوسکتا ہے کہ یہ دور اقبال کی مقبولیت کا دور ہے اور اقبال کے اسٹبلشمنٹ کے آگے سوائے غالب کے کوئی اور ٹک نہیں سکتا۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ اقبال کی مقبولیت کا سفر بھی خطِ مستقیم میں نہیں رہا۔ خود اسے کئی پیچ وخم سے گزرنا پڑا۔ اقبال کی مقبولیت کو آزادی کے بعد سیاسی وجوہ سے کس طرح بار بار دھچکا لگا اور پھر کن لوگوں کی کاوشوں سے انہیں پھر سے ہندوستان میں Transpalant کیا گیا یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

راقم الحروف نے مندرجہ بالا سطور میں جو کچھ لکھا ہے‘ اس کا لب لباب یہ ہے کہ اردو کے جدید شاعروں نے اقبالؔ سے شعوری طور پر اثر قبول نہیں کیا۔ البتہ ان کا شعور اور تحت الشعور کسی نہ کسی طرح اقبالؔ سے ضرور متاثر ہے‘ کیونکہ ہر پیڑھی اپنے پیش رو پیڑھی سے کسی نہ کسی نہج پر متاثر ضرور ہوتی ہے۔ اقبالؔ کے حق میں جو فضا بندی ہوئی ہے‘ اس میں جدید نقاد بھی شامل ہیں۔ لیکن اقبالؔ کی شاعری بذاتِ خود ان نقادوں کے لیے چنوتی ہے کہ وہ لوگ اپنے ان سابقہ شدت پسند تنقیدی اصول میں لچک پیدا کریں جنھیں وہ ترقی پسندوں کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے آئے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 59 پر)

**نذیر فتح پوری**
Editor,Asbaaq
Pune(MS)

# ڈاکٹر کرامت علی کرامت ”کچھ یادیں کچھ ادب“

بہت پہلے جب میری آزادغزلوں کا مجموعہ ”غزل اندرغزل“ کے عنوان سے مرتب ہوا تو مظہرؔ امام کے مشورے سے اس کا پیش لفظ لکھوانے کے لئے میں نے کرامت علی کرامت سے رجوع کیا۔ جب کرامت صاحب پیش لفظ لکھنے کے لئے آمادہ ہوگئے تو میں نے رجسٹرڈ ڈاک سے ”غزل اندرغزل“ کا مسودہ ان کوارسال کردیا۔ یہ ۱۹۸۸ء کا زمانہ تھا۔ آزادغزل کی تحریک پورے شباب پر تھی۔ مناظر عاشق ہرگانوی کی منصوبہ بند کوششوں سے متاثر ہوکر اکثر شعراء نے اپنی تخلیقی سوچ کے دھارے آزادغزل کی طرف موڑ دیے تھے۔ پونہ میں رشید اعجاز کے ساتھ مل کر میں نے آزادغزل کو اپنا شریک سفر بنالیا تھا اور کثرت سے آزادغزلیں کہہ کر مجموعہ مرتب کر لیا۔ میری خواہش تھی کہ میری آزادغزلوں کا مجموعہ شائع ہوکر منظر عام پر آجایے تا کہ اولیت کا سہرا میرے سر بندھ جائے۔ جوان خون تھا' عزائم میں پختگی تھی' حوصلوں کی اڑان فلک کو تک رہی تھی۔ ایسے حالات اور کیفیت میں کرامت علی کرامت اپنے دیگر ادبی کاموں میں مصروف رہے۔ میں ان سے برابر رابطے میں رہا دو ایک بار اس سلسلے میں مظہر امام صاحب کو لکھا۔ ان دنوں موبائل وغیرہ کا سلسلہ نہیں تھا اس لئے ڈاک پر ہی انحصار کرنا پڑتا تھا۔ ایک خط جانے اور اس کا جواب آنے میں پندرہ بیس دن لگ جاتے تھے۔ کرامت صاحب کی جانب سے تاخیر میرے لئے تشویش کا باعث تھی۔ اس سلسلے میں میں مایوس ہونے کے کگار پر پہنچ چکا تھا کہ ایک دن ایک بڑا سا لفافہ رجسٹرڈ ڈاک سے موصول ہوا۔ لفافے پر ارسال کردہ کا نام پڑھ کر میرا چہرہ کھل اٹھا۔ بہ عجلت تمام لفافہ چاک کیا تو لال روشنائی سے تحریر کردہ طویل پیش لفظ میرے روبرو تھا۔ ان دنوں کرامت علی کرامت لال قلم سے لکھا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ لفافے پر پتہ بھی لال قلم ہی سے لکھا تھا۔ پیش لفظ کی ابتدائی سطریں ملاحظہ کریں۔

”نذیر فتح پوری جدید شاعروں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جو آزاد غزل جیسی معتوب صنفِ سخن کو سینے سے لگائے رکھنے کی وجہ سے بدنام زمانہ کہلاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں........ روایتی ذہن والوں کو جانے دیجئے، خود جدید شاعروں کا ایک بڑا حلقہ اس صنفِ سخن کو خوف وہراس کی نظروں سے دیکھتے ہوئے شدت سے اس کی مخالفت کررہا ہے۔ انہیں نذیر فتح پوری کا یہ مجموعہ پڑھنے کی ضرورت نہیں اور نہ میرا یہ پیش لفظ“۔ مظہر امام نے مجھے لکھا تھا کہ جدید نقادوں میں کرامت علی کرامت ہی آزادغزل کے سب سے بڑے نقاد ہیں۔ اسی پیش لفظ میں کرامت علی کرامت ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”یوں تو مظہر امام یہ نئی صنفِ سخن ایجاد کر کے ”آزادغزل کے درد کی دوا“ بن گئے لیکن انہوں نے راقم الحروف کو آزادغزل کا پہلا نظریہ ساز قرار دیا۔ اس کے باوجود چند باتوں پر انہیں راقم الحروف سے اختلاف ہے۔ اپنے اور مظہر امام کے مابین نظریاتی اختلاف کی تفصیل بیان کرنے کے بعد کرامت صاحب لکھتے ہیں:

”میں نے آزادغزل کی بابت اپنے اور مظہر امام کے درمیان نظریاتی سطح پر جس اختلاف کا ذکر کیا ہے اس کی حیثیت فروعی ہے۔ کیونکہ آزادغزل کا تعلق فارم سے ہے اور جہاں تک فارم کا تعلق ہے عملی سطح پر میرا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعنی وہ جسے آزادغزل کہتے ہیں میں بھی اسے آزادغزل قرار دیتا ہوں“۔

چلئے سارا جھگڑا ختم ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ کرامت احب کسی بھی معاملے میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتے۔ وہ اپنے مخالف یا مقابل کی دلیلوں کو محض اپنی انا کی تسکین کے لئے نظرانداز نہیں کرتے ہیں بلکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کرامت صاحب ایک وسیع الذہن نقاد ہیں اور صداقتوں پر یقین رکھتے ہیں۔

کرامت صاحب نے ایک جگہ لکھا ہے۔ ”یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ نذیر فتح پوری آزادغزل کے تمام اصولوں کی سختی سے پابندی کررہے ہیں۔ ان کے یہاں کہیں بھی اس قسم کی فنی بے راہ روی نظر نہیں آتی جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے“ سند عطا کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں۔ ”ان کی بندشوں میں چستی، زبان میں فصاحت، بیان میں روانی نیز شعری آہنگ میں دل کشی پائی جاتی ہے جو آج کل پابند غزلوں میں بھی خال خال نظر آتی ہے“۔

آزادغزل کو فنی دائرے میں رکھنے کے لئے ان دنوں کرامت صاحب نے اہم کردار ادا کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مظہر امام سے تو اختلاف کیا ہے، ظہیر غازیپوری سے بھی اختلاف کیا اور اپنے دلائل کی وجہ سے انہیں رام کرنے کی کوشش کی میرے آزادغزل کے مجموعے پر کرامت صاحب نے جو پیش لفظ سپردِ قلم کیا ہے وہ میرے لئے ہی نہیں ہر اس شاعر کے لئے مشعلِ راہ ہے جو آزادغزل کہنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔

## کرامت علی کرامت سے ملاقات:

یہ ماہ جولائی ۱۹۹۷ء کی بات ہے جب کرامت علی کرامت ڈاکٹر حامد اشرف کے تحقیقی تخلیق کے وائیوا (Viva) کے لئے پونہ تشریف لائے تھے۔ پونہ روانگی سے قبل موصوف نے ایک خط کے ذریعہ مجھے اپنی آمد کا مژدہ سنایا تھا اور اس

شخص کا نام اور پتہ بھی لکھا تھا جہاں وہ قیام کرنے والے تھے۔وقت پر میں پونہ کے عوامی شاعر مرحوم دلدار ہاشمی کے ساتھ کرامت صاحب سے ملاقات کے لئے حاظر ہوا۔یہ ملیٹری کا ایک بڑا ہسپتال تھا جہاں مین گیٹ پر سنگین تانے پہرے دار موجود تھے۔ہمیں دیکھتے ہی باہر روک دیا گیا۔ہم نے جب ڈاکٹر پانڈے۔جی کا نام بتایا جن کے یہاں کرامت صاحب ٹھہرے ہوئے تھے تو ہمیں فوراً اندر چھوڑ دیا گیا۔جب پانڈے۔جی کے کوارٹر پر پہنچے اور کرامت صاحب کا نام بتایا تو ہمیں ان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔کرامت صاحب اکیلے تھے،ان کے قریب ہی تپائی پر کچھ کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔جیسے میں نے اپنا تعارف کرایا،کرامت صاحب نے اٹھ کر مصافحہ کیا پھر گلے ملے۔جب میں نے دلدار ہاشمی کا تعارف کرایا تو ان سے بھی محبت سے ملے اور احترام سے اپنے قریب فرش پر بٹھایا۔سب سے پہلے تو کرامت صاحب کی سادگی نے متاثر کیا۔عجز وانکساران کی گفتگو سے عیاں تھے۔علمیت اور نقادیت کا کوئی رعب ان میں نظر نہیں آیا ہم دونوں عمر میں بھی اور علم میں بھی ان سے کوسوں دور تھے۔

کرامت صاحب پونہ کے ادبی ماحول سے زیادہ واقف نہیں تھے۔مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ رشید اعجاز کے بارے ہی میں تھوڑا بہت جانتے تھے۔اس کی وجہ بھی صرف آزاد غزل ہی تھی۔میں نے اپنی آزاد غزلوں کا مجموعہ رشید اعجاز سے ہی منسوب کیا تھا۔علاوہ ازیں رشید اعجاز کی آزاد غزلیں چند ادبی رسائل میں شائع ہو چکی تھیں۔میں اور دلدار ہاشمی کافی دیر تک ان کے ساتھ رہے۔ادب و رسائل اور آزاد غزل کے علاوہ گھریلو معاملات پر گفتگو ہوتی رہی۔پہلی ملاقات ہی میں وہ مجھے خالص اپنے لگے۔مشفق،مہربان،ان کا اندازِ گفتگو اپنائیت سے بھرپور۔میں نے پوچھا...... یہاں کیسے؟ کہنے لگے،یہ ڈاکٹر پانڈے میرے شاگرد ہیں،میرا بہت احترام کرتے ہیں۔ان کو جب میرے پونہ آنے کی خبر ملی تو اپنے کوارٹر میں انہوں نے میری رہائش کا انتظام کر دیا۔گھر کے لوگ میرا بہت خیال رکھتے ہیں،تمام لوگ اچھے ہیں۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ ایک پانڈے کے گھر میں ایک علی کا قیام ہے۔ایک تپائی پر مصلٰی رکھا ہوا تھا۔کرامت صاحب نے بتایا،میں نماز بھی اسی کمرے میں ادا کروں گا۔میں نے کہا،یہاں سے مسجد بھی بہت دور ہے۔آپ کا مسجد تک جانا ممکن نہیں۔

دوسرے دن وائیوا تھا۔کرامت صاحب نے کہا’’آپ دونوں بھی میرے ساتھ چلیں۔دوسرے دن،ہم صبح صبح ہی پانڈے کے کوارٹر پہنچ گئے۔وہاں سے پونہ یونیورسٹی کا فاصلہ بہت تھا۔ہم تینوں کار میں بیٹھ کر یونیورسٹی پہنچے۔حامد اشرف اور دیگر لوگ ڈاکٹر کرامت علی کرامت کا انتظار کر رہے تھے۔فوراً ہال میں پہنچا دیا گیا دوسرے ممتحن ڈاکٹر اعظم خاں کا انتظار تھا،وہ احمد نگر سے آنے والے تھے۔کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر اعظم بھی آ گئے۔حامد اشرف سوالات کے گھیرے میں کچھ گھبرائے سے کچھ سہمے سے محتاط انداز میں سوالوں کا جواب دینے لگے۔حامد اشرف نے کرناٹک کے شاعر و نقاد ڈاکٹر راہی قریشی کے فکر وفن پر مقالہ لکھا تھا۔ڈاکٹر راہی قریشی نے کسی زمانے میں علامہ کالی داس گپتا رضا کے فکر وفن پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔

جب زبانی سوال وجواب کا سلسلہ ختم ہوا تو کرامت صاحب نے مقالے کی ورق گردانی کر کے حامد اشرف کو فلاں صفحہ کھولنے کی ہدایت دی۔اتفاق سے اسی صفحہ پر میرے شعری مجموعے’’لمحوں کا سفر‘‘پر ڈاکٹر راہی قریشی کا تبصرہ موجود تھا۔حامد اشرف نے چند سطریں پڑھ کر سنائیں۔کرامت صاحب نے پوچھا،کیا آپ نذیر فتح پوری کو جانتے ہیں؟ حامد اشرف کا جواب،بہت مختصر تھا’’جی نہیں‘‘

کرامت صاحب نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا’’یہ جو آپ کے برابر بیٹھے ہوئے ہیں،یہی نذیر فتح پوری ہیں۔

جس طرح مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس مقالے میں میری کتاب کا حوالہ موجود ہے اسی طرح حامد اشرف کو بھی یقین نہیں آیا کہ جس شخص کا ذکر مقالے میں موجود ہے وہ ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھا ہے۔ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے میرے تعلق سے سوال کر کے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔اس سے ان کی حاضر دماغی اور معاملہ فہمی کا پتہ چلتا ہے۔دو ڈھائی گھنٹے بعد سوال وجواب کا بھی سلسلہ ختم ہو گیا اور دونوں ممتحن حضرات اپنی اپنی رائے سپردِ قلم کرنے بیٹھ گئے۔حامد اشرف میرے اور قریب آ گئے اور سرگوشی میں کہنے لگے۔میں اگر پی ایچ ڈی کا گائڈ بنا تو سب سے پہلے آپ کے فکر وفن پر کام کرانے کو ترجیح دوں گا۔حامد اشرف نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ناصر اللہ انصاری سے میرے فکر وفن پر مقالہ لکھا کر انہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری دلا دی۔میں یہ کریڈٹ بھی کرامت صاحب ہی کو دیتا ہوں۔اگر وہ میری کتاب کے تعلق سے سوال نہ کرتے تو شاید حامد اشرف مجھ سے اس قدر متاثر نہیں ہوئے ہوتے۔

تیسرے دن بعد نماز عشاء مرحوم متین انصاری نے مومن پورہ میں ڈاکٹر کرامت علی کرامت صاحب کے اعزاز میں ایک شعری نشست کا اہتمام کیا۔کرامت صاحب نے بھی جی بھر کر اپنا کلام سنایا اور نئی نسل کو متاثر کیا۔انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہماری بزم کی جانب سے آئندہ سال ہم نذیر فتح پوری کو’’نجمی ایوارڈ پیش کریں گے۔تب آپ سب حضرات کو اڈیشا آنا ہوگا۔

لیکن بعد میں یہ ممکن نہ ہو سکا اور اس طرح میں اڈیشا جانے سے محروم رہا ان دنوں اڈیشا میں کئی لوگ تھے جو اسباق سے جڑے ہوئے تھے۔ان سے ملاقات کی خواہش بھی ادھوری رہ گئی۔

دو روز قبل ادبی محاذ کے مدیر جناب سید نفیس دسنوی سے فون پر بات ہوئی تو میں نے خواہش ظاہر کی کہ میں کرامت صاحب کی یادوں پر مشتمل ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں۔انہوں نے جواباً کہا مجھے فوراً لکھ کر واٹس ایپ کے ذریعہ ارسال کرا دیں میں رسالے میں شامل کر لوں گا۔سو یہ مضمون حاضر ہے۔☆☆

**(ڈاکٹر خورشید اقبال بحیثیت شاعر کا بقیہ)**

دن بدن نظم کہنے والے شعراء کی تعداد بڑھتی گئی بلکہ اب تو شعراء کو شمار کرنا بھی ایک دشوار کن کام ہے۔ نظم سے متعلق سنبل نگار نے لکھا ہے کہ۔

''نظم کے معنی پرونے اور یکجا کرنے کے ہیں۔ نظم میں کوئی قصہ، کوئی واقعہ، کوئی تجربہ یا کوئی خیال تسلسل کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ نظم کی کوئی مقررہ شکل یا ہئیت نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ خیال یا معنی کے اعتبار سے اس میں تسلسل ہو اور ایک شعر دوسرے شعر سے پیوست ہوتا چلا جائے''۔

خورشید اقبال نے غزل گوئی کے ساتھ نظم سے بھی رشتہ استوار رکھا ہے۔ بلکہ نظم گوئی میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں یعنی غزل اور نظم دونوں ہی ان کے شعری سرمایہ میں شامل ہیں۔ دونوں ہی اصناف میں انھوں نے جو طبع آزمائی کی ہے وہ قابلِ توجہ ہی نہیں قابلِ قدر بھی ہیں۔ ان کی نظموں میں موضوع اور مواد کی ہم آہنگی فنکارانہ صلاحیتوں کا عمدہ غماز ہیں۔ ان کی نظمیں حقیقت نگاری کی منہ بولتی تصویریں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیں متوجہ کرتی ہیں۔ ان کی نظموں کی تعداد زیادہ تو نہیں لیکن جو ہیں ان کے موضوع میں تنوع ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں اپنے جذبات' تاثرات اور حسیات کا کامیابی کے ساتھ مظاہرہ کیا ہے، اس سے ان کی بالغ نظری کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی نظمیں ''مایوس لمحات کا مشورہ'' ''مثلث'' اور ''زندگی'' جہاں ان کے مشاہدات وتجربات کی نشاندہی کرتی ہیں وہیں ''تم بن'' ''ایک نیا تاج محل'' اور ''تیرے نام'' رومان پرور شاعری کی عمدہ عکاس ہیں۔ ان کی نظم ''مرگ پسِ مرگ'' (بابری مسجد کی شہادت کے المیے سے متاثر ہوکر) فکری بصیرت کی عمدہ نمونہ ہے۔ ملاحظہ کریں۔

یہ کہانی زیادہ پرانی نہیں/ اپنے ہی ملک کی خاک سے/ ایک پجاری اہنسا کا پیدا ہوا/ جس نے ماتھے سے انسانیت کے/ لہو پونچھ کر/ اس پہ مرہم رکھا/ جس نے عالم کو دی/ روشنی امن کی/ روشنی پیار کی/ پر ازل سے ہی دنیا کا یہ دستور ہے/ سچ ہمیشہ صلیبوں کی زینت بنا/ اس کے بارے میں بھی/ بربری ذہن نے فیصلہ کر لیا قتل کا ....../ گولیاں سنسناتی ہوئی چل پڑیں/ سسکیوں سے ہوا مرتعش آسماں/ سب یہ کہنے لگے/ امن وانصاف کا دیوتا مر گیا/ پر وہ زندہ رہا...../ اپنے آدرش میں/ اپنے افکار میں/ اپنے پیارے وطن کی فضاؤں میں وہ/ مسکراتا رہا/ جانے کتنے ہی چہروں پہ بن کر تقدس کا اک نور وہ/ جگمگاتا رہا/ پر عجب سانحہ کل ہوا/ ایک مسجد کے ملبے میں وہ دب گیا/ اور پھر مر گیا۔

مجموعی طور پر خورشید اقبال ایک خوش فکر شاعر ہیں۔ اگر اس طرف وہ کچھ زیادہ توجہ دیں تو نثر کے ساتھ ساتھ وہ شاعری کے میدان میں بھی اپنا سکہ جما لیں گے۔ معروف شاعر وناقد نصراللہ نصر نے اپنی کتاب ''افہام ادب'' کے ایک مضمون ''خورشید اقبال نئے جہان کے سفیر اردو'' میں ان کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے میں اپنی گفتگو کو وقفہ دینا چاہوں گا۔

''خورشید اقبال خاموش طبیعت کے انسان ہیں اور خاموشی سے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ ان کو نہ ستائش کی تمنا ہے نہ صلے کی پرواہ۔ بحرِ علم ہو یا بحرِ شعروادب دونوں کی غواصی میں وہ مہارت رکھتے ہیں۔ اپنی اسی غواصی کے طفیل وہ بحرِ علم وفن کی تہوں سے ایسے ایسے درِ نایاب لاتے ہیں جن کی تابنا کی سے آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اہلِ علم وادب ان کی کاوشوں اور قدروں پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں''۔

☆☆☆

**(فروغِ اردو میں لائبریری کی اہمیت کا بقیہ)**

وادب کے فروغ کے لئے سنجیدگی سے کام کیا جائے تو اس طرح چھوٹے چھوٹے مسائل پر بھی غور کیا جاسکے گا۔ کیونکہ چھوٹے چھوٹے مسائل جب حل ہو جائیں تو بڑے مسائل کو حل کرنے میں آسانی ہوگی۔

لائبریری کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے۔ اگر لائبریری کا قیام عمل میں نہ آیا تو برسوں پرانی کتب اور مخطوط کے مطالعہ سے ہم محروم ہو جاتے ہیں۔ بھارت میں آج بھی بڑے بڑے شہروں میں کئی بڑی لائبریریاں موجود ہیں۔ جن سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں۔ بڑی لائبریریاں تحقیقی کمی بھی پوری کرتی ہیں۔ تلاش وتحقیق سے تعلق رکھنے والے اسکالروں کے لئے لائبریری ایک خزانے کی حیثیت رکھتی ہے ایک ایسا خزانہ جس میں ہیرے جواہرات کے انبار لگے ہوتے ہیں اور مہذب سماج میں لائبریری کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش بھی ہوتی رہتی ہے۔ لائبریری ہی نہ ہو تو علم کے دروازے ہی ایک طرح سے بند ہو جائیں گے۔

☆☆☆

منیر سیفی

Samanpura.MalikLane
Patna-800014
Mob-9835268274

## تاریخِ وفات پروفیسر منظر ایوبی

شاعر اور صحافی منظر ایوبی
ملکِ عدم کے باسی منظر ایوبی
اتنی جلدی کیا تھی آپ کو جانے کی
کر بیٹھے من مانی منظر ایوبی
پڑی بے سر ''اک'' کو سیفی بہر تاریخ
''ہر اک سمت اداسی منظر ایوبی''

2021-1=2020

عظیم انصاری
RahmatManzil-BL-5
P\OJagatdalNorth24Parganas
Pin-743125(WB)

# ڈاکٹرخورشیداقبال بحیثیت شاعر

خورشیداقبال ادبی منظرنامے کا ایک معروف نام ہے۔ان کی شخصیت کئی جہتوں سے اپنی پہچان رکھتی ہے۔سب سے پہلے انہوں نے درسی کتابوں کے ذریعہ اپنی پہچان بنائی اور لائف سائنس کا نام آتے ہی زبانوں پر ایک ہی نام آتا ہے خورشیداقبال۔پھرانہوں نے اپنی اردوویب سائٹ ''اردودوست ڈاٹ کام'' پر بہت شانداراورلاجواب آن لائن ماہنامہ'' کائنات'' کا اجرا کیا جس کی وجہ سے اردودنیا کی نگاہوں میں آ گئے۔اس کے بعد''اک شبِ آوارگی'' کے نام سے افریقی افسانوں کا قابلِ قدرتراجم کا مجموعہ شائع کیا۔پھر''اردو میں سائنس فکشن کی روایت'' نامی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ان دونوں کتابوں کی ہنداور بیرونِ ہندکافی پذیرائی ہوئی۔بہاراور اترپردیش کی اردواکاڈمیوں نے کتابوں کوایوارڈ سے نوازا۔یہاں یہ بتا تا چلوں کہ ''اردومیں سائنس فکشن کی روایت'' پاکستان میں بھی شائع ہوچکی ہے۔'' آیئے کمپیوٹر پر کام کریں'' کے عنوان سے چوبیس (۲۴) مہینوں تک خورشیداقبال کے مضامین معروف رسالہ''اردودنیا'' میں شائع ہوتے رہے جسے بعد میں مغربی بنگال اردو اکاڈمی نے کتابی صورت میں شائع کیا اور سال ۲۰۱۹ء میں''اردو ادب اور سائبر اسپیس'' نامی ایک کتاب آئی ہے جودراصل ڈاکٹریٹ کے لیےان کے تحقیقی مقالے کی کتابی صورت ہے جس پر مغربی بنگال اردواکاڈمی نے حال ہی میں''سرسید احمد خاں ایوارڈ'' سے نوازا ہے۔

خورشیداقبال ایک اچھے ادیب اور کامیاب مترجم ہی نہیں بلکہ ایک اچھے شاعر بھی ہیں۔جہاں تک شاعری کی بات ہے تو اس میں کوئی دورائے نہیں کہ یہ کسی بھی زبان وادب کی روح ہوتی ہے۔اس کے ذریعہ شاعرعوام الناس کے دلوں پر راج کرتا ہوا نظر آتا ہے۔شاعری نے ہر زمانے میں اپنے حسن کی کرشمہ سازی دکھائی ہے۔یہ صرف ایک فن ہی نہیں بلکہ احساس ومشاہدے کی روایت بھی ہے۔اس میں کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ ساتھ رومانیت،حقیقت نگاری،عصری مسائل جیسی تمام کیفیات شامل ہوتی ہیں۔روایتی شاعری کئی مراحل سے گزرتی ہوئی آج زندگی کے سنگین مسائل سے نبرد آزما ہے۔یہاں یہ بتا تا چلوں کہ کسی بھی شاعر کے کلام پر روشنی ڈالنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم زندگی کی بدلتی قدروں پر بھی دھیان دیں تا کہ اس شاعر کے ساتھ منصفانہ اظہارِخیال کرسکیں۔خورشیداقبال بحیثیت شاعران تمام کوائف سے واقف ہیں اوران کی غزلیہ ونظمیہ شاعری میں وہ تمام عوامل کارفرما ہیں جو اچھی شاعری کی پہچان ہوا کرتی ہیں۔

اردوغزل کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اردوزبان۔خورشیداقبال نے اپنی شاعری میں غزل کے رموز اور مخصوص لہجے کا پاس رکھنے کے ساتھ ایک انفرادی لہجہ اپنانے کی شعوری کوششیں کی ہیں لیکن کچھ نیا کہنے کی دھن میں غزل کی روایت سے انہوں نے زیادہ انحراف نہیں کیا ہے۔وہ سیدھے سادے انداز میں قاری یا سامع کے ساتھ جڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور بہت حدتک کامیاب بھی نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کریں۔

اک کربِ اعتماد سے مل تو گئی نجات۔اچھا ہوا کہ چور بھرم کرکے رکھ دیا
چندروزہ زندگی دے کر کیا ہم پر ستم۔پھر ستم پر یہ ستم کہ خواہشیں بھی کیں عطا
یہ سرشتِ ظالمانہ کس سے کس نے سیکھ لی
کھائے ہے انساں کوانساں مچھلیوں کومچھلیاں
جنوں نے سیکھ لی اچھی عقیدتوں کی زباں۔خرد کے سر پہ رہا سخت امتحان کا بوجھ
خودی کو بیچ دوں اتنا میں گر نہیں سکتا۔ابھی عزیز مجھے آبرو کی چادر ہے

مندرجہ بالا اشعار میں تازگی بھی ہے اور زندگی کی رمق بھی۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ منفرد ہونے کے لیےانہوں نے کہیں کرتب بازی نہیں کی ہے بلکہ سادہ وسلیس زبان کووسیلۂ اظہار بنایا ہے۔اچھا شاعروہی ہے جوروایت سے کسبِ فیض کرتے ہوئے دورِجدید کی لفظیات کوہنرمندی سے استعمال کرے اورغزل کوایسا لہجہ عطا کرے جس میں اس کا انفرادی لہجہ جھلک اٹھے اوراس کے اسلوب کی شناخت بھی قائم ہوسکے۔خورشیداقبال اس فن سے کماحقہ واقف ہیں۔چنداشعار ملاحظہ کریں:

سرا پنے اعتبار کا خم کر کے رکھ دیا۔جھوٹے قلم نے سچ کوقلم کرکے رکھ دیا
سبھی بناتے رہے گاؤں کا قلم سے نصیب۔کوئی نہ بانٹنے آیا کسی کسان کا بوجھ
پھینک دو اخبار،جل جائے نہ ہاتھ۔سرخیوں میں آگ ہے خبروں میں آگ
علم دل کی روشنی ہے عقل ودانش کے لئے۔پر یہی بن جائے جب مالِ تجارت تو غلط
روشِ عمل کی آگ سے ہوجائے گی حیات
پلکوں سے خواب نوچ کے ایندھن بنایئے

موت رقصاں رہی سڑکوں پہ گلی کوچوں میں۔ زندگی بھاگتی پھرتی رہی گھبرائی ہوئی

اگر ہم غور کریں تو دیکھیں گے کہ آج کی زندگی پہلے سے زیادہ رنگ آمیز ہے۔ لیکن اس کی پیچیدگیاں پہلے سے کہیں زیادہ سنگین ہوگئی ہیں۔ ہماری قدریں بدل گئی ہیں، ہمارے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے۔ تنقیدی رویوں میں بھی بہت سی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ یہ آج کی زندگی کی تلخ حقیقت ہے۔ ڈاکٹر عادل حیات کہتے ہیں:

''موجودہ دور میں زندگی جس طرح لمحہ لمحہ بدل رہی ہے، اسی تیز رفتاری کے ساتھ انسانی اعمال اور اس کی فکر میں بھی تبدیلی آرہی ہے۔ شعری اظہار میں موضوعات کی یکسانیت زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ پاتی۔ یہی وجہ ہے کہ شعراء کے ایک ہی مجموعے میں موضوعات کا گلدستہ سجا ہوتا ہے جو کہ اس کے تجربات ومشاہدات اور زندگی کے معاملات وممکنات پر مشتمل ہوتا ہے جس میں شاعر کے ظاہری وباطنی افکار اور نئے زمانے کی حسیت کے جلوے دکھائی دیتے ہیں (غزل کی تنقیدص۔۶۲)

ظاہر سی بات ہے کہ آج کا شاعر بھی زمانے کے اس بدلتے رجحانات کے سائے میں سانس لیتا ہے لہٰذا وہ اپنی شاعری میں ان محسوسات کو ڈھالتا ہے کہ قاری یا سامع بھی ان کو محسوس کرسکے۔ اس روشنی میں خورشید اقبال کے اشعار دیکھیں

صرف آنکھوں سے نظر آتے نہیں منظر تمام۔ دیکھنے کے واسطے کچھ روشنی بھی چاہیے

ایک راون سے لڑے تھے رام اور دی تھی شکست
آج تو ہم ہیں ہزاروں راونوں کے درمیاں

دکھاوے کے لیے آکر گلے تو لگ گئے لیکن
بڑی تلخی ہے لفظوں میں، ہے لہجے میں جلن باقی

جیسے کچھ متروک سکّے، جیسے کچھ مردہ رسوم
ان سے بڑھ کر اس صدی میں کچھ نہیں جذبات، بس

دیوار ہر قدم پہ نئی اٹھ رہی ہے اک۔ پہلے سا اپنے شہر کا نقشہ نہیں رہا
کیا آگ تھی ذلیل کہ ظلمت نہ چھٹ سکی۔ آتش کدہ ہے شہر مگر روشنی نہیں

روایتی غزل ہر زمانے میں مقبول رہی ہے۔ آج کے دور میں بھی جب غزلیہ شاعری زندگی کے مسائل سے الجھی ہوئی نظر آتی ہے وہیں روایتی غزل کا وہ حسن بھی موجود ہے جس کی بنیاد پر آج تک ٹکی ہوئی ہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر آج بھی یہ وراثت اردو غزل میں برقرار ہے جبکہ غزل کا موجودہ منظر نامہ کافی حد تک بدل گیا ہے اور اس کے موضوعات آج سمٹے ہوئے نظر نہیں آتے۔ غزل نے اپنے دل کو کافی کشادہ کرلیا ہے۔ خورشید اقبال کی شاعری میں کلاسیکی رچاؤ کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔:

دلربائی کے لیے تو دلکشی بھی چاہیے۔ حسنِ سرکش میں مگر کچھ سادگی بھی چاہیے
ہے ترے حسن کا معیار مری نظروں میں۔ دلکشی میرے لیے اب مہِ کامل میں نہیں
اک ترے ملنے کی ساعت پھر بچھڑنے کی گھڑی۔ زندگی تھی زندگی ان ساعتوں کے درمیاں

بڑی مدت ہوئی لیکن ابھی تک دل کے گوشے میں
کسی کی بھوری آنکھوں کی ہے ہلکی سی چبھن باقی

محبت میں ضروری تو نہیں ہے سامنے رہنا
تری یادیں سلامت اور مرا دیوانہ پن باقی

میں اپنے بارے میں سوچوں تو کس طرح سوچوں۔ ترا خیال مجھے کب رہائی دیتا ہے
درد جو تو نے دیا ہے، اک امانت کی طرح۔ ایک مدت بعد بھی سینے میں سب محفوظ ہے
کہاں کا ہجر اور کیسی جدائی کیسی تنہائی۔ تصورِ بت بنالیتا ہے، بت سے بات ہوتی ہے

لیکن خورشید اقبال کی شاعری میں کشمکشِ حیات، تلخ تجربات اور جاں گسل سانحات بھی شامل ہیں جو ان کی بالغ نظری کے ثبوت ہیں۔ انہوں نے اوروں کی طرح اپنے غم کو کائنات کا غم بنا دیا ہے۔ ان کی غزلوں میں جہاں عصری آگہی اور مسائلِ کائنات کا جلوہ ہے وہیں پیکر تراشی اور تازہ کاری بھی ہے۔ انہوں نے زندگی کو نہ صرف قریب سے دیکھا ہے بلکہ اس کا احتساب بھی بہ حسن خوبی کیا ہے۔ اپنی غزلوں میں انہوں نے عصری زندگی کے مسائل کو سلیقے سے پیش کیا ہے، جسے دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی ازم کے پابند نہیں۔ چند اشعار ملاحظہ کریں۔

منصف ہی اس کے ظلم کا جب سرپرست ہو۔ پوچھے یہ کون؟ کیوں یہ ستم کرکے رکھ دیا
ارتقا نے زندگی کو راحتیں بھی کیں عطا۔ تحفتاً لیکن ہزاروں الجھنیں بھی کیں عطا
اب کہاں سے لائیں ہم اپنی غزل میں شوخیاں۔ دم بدم گرنے لگی ہیں دل پہ کتنی بجلیاں
قدموں میں پتھروں کے نہ سر کو جھکائیے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تیشہ اٹھائیے
کشتیاں پھونک دو پھر جیت ہماری ہوگی۔ مجھ کو معلوم ہے یہ جوش مقابل میں نہیں
وقت سلجھاتا رہے گا مسئلوں پر مسئلے۔ زندگی کٹتی رہے گی الجھنوں کے درمیاں
قدم قدم پہ بچھائے حیات نے پتھر۔ مجھے بنا ہی دیا مشکلات نے پتھر

مندرجہ بالا اشعار خورشید اقبال کی وسعتِ فکر کو اجاگر کرنے میں کامیاب ہیں۔ ان علامتوں اور استعاروں میں ان کے شعور کی بالیدگی نمایاں ہے۔ تراکیب کا عمدہ اہتمام اور لفظوں سے کھیلنے کے ہنر نے ان کے اشعار کو مزید اعتبار بخشا ہے۔ ان کی غزلیہ شاعری کا جب ہم محاسبہ کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شاعری میں کافی امکانات ہیں۔ امید ہے وہ آنے والے دنوں میں ان امکانات کو مزید روشن کریں گے۔ خورشید اقبال نظم کے بھی اچھے شاعر ہیں۔ ان کی نظموں میں روایت کی پاسداری بھی ہے اور جدت طرازی بھی۔ نئے آہنگ کے ساتھ ان کے تجربات ومشاہدات بھی نظموں میں ہویدا ہیں۔ ان کی نظموں کو دیکھ کر ان کی ذہنی بصیرت اور بلند تخیل کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ بنگال میں بیسویں صدی کی پہلی دہائی تک اردو نظم نگاری کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ لیکن اس سرزمین پر جب نظم گوئی کا آغاز ہوا تو

**(بقیہ صفحہ 41 پر)**

ادھومہاجن بسمل
VedantPlotNo-12
PragtiGarden-Mandhwa
Pune-411036

# فروغِ اردو میں لائبریری کی اہمیت

اردو زبان وادب کے فروغ اور دیگر لسانی مسائل کے تعلق سے ہندستان کے مختلف حصوں میں الگ الگ پروگرام اور سیمناروں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے جس میں اردوزبان وادب کے تعلق سے جس جذبے اور خلوص کا اظہار کیا جاتا ہے وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔اوراس بات کا ثبوت بھی ہے کہ اس مادی دور میں بھی کچھ لوگ اپنی زبان کے تعلق سے نہایت سنجیدگی سے کام لیتے ہیں اور اپنی ذمہ داری کا احساس بھی انہیں رہتا ہے۔زبان کو زندہ رکھنے کے لیے نئے نئے طریقے بھی تلاش کرتے رہتے ہیں۔اور خاص طور پر اردو کو فروغ دینے کے لئے نئی نئی تجاویز بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ان میں بہت سی تجویزیں ایسی ہوتی ہیں جو عمل میں لائی جائیں تو یقینی طور پر اردوزبان کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں۔مگر حالات یہ ہیں کہ ان تجاویز پر ہم سنجیدگی سے غور نہیں کرپاتے ہیں۔اور نہ ہی ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں ہم لوگ دوسرے مسائل میں اس طرح الجھ جاتے ہیں کہ بنیادی مسئلے پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔اس کی وجہ میں سمجھتا ہوں کہ اپنی کشمکش، رنجشیں اور تصادم کی وجہ سے ہی یہ صورت حال دگرگوں ہو جاتی ہے۔جبکہ ہونا یہ چاہئے کہ تمام اختلافات اور رنجشوں کو بھلا کر ہمیں زبان وادب کے بنیادی مسائل پر غور کرنا چاہئے۔اوران مسائل کو حل کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنی چاہئے اور جب تک ہم سب مل کر فروغِ اردو کے تعلق سے کوشش نہیں کریں گے تو ہمیں کسی بھی محاذ پر کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی۔

اردو ایک ایسی زبان ہے جو قومی یکجہتی کا سب سے اہم اور کارگر ذریعہ بن سکتی ہے۔اردوزبان کے ساتھ صرف اس کے فروغ اور بقا کا ہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کی جان سے جڑے ہوئے بہت سارے مسائل ہیں۔خاص طور پر ان علاقوں میں اردو کی ترویج واشاعت کا مسئلہ ہے جو اردو کے لئے زرخیز ہیں۔مگر ان کے پاس وسائل نہیں ہیں۔ایسے بہت سے علاقوں کی شناخت کی گئی ہے جہاں اردو سے بے پناہ محبت کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے اور وہاں کے لوگ چاہتے ہیں کہ اس زبان سے اپنا رشتہ جوڑیں۔مگر رشتہ جوڑنے کی کوئی واضح صورت نظر نہیں آتی۔ایسے علاقوں میں فروغ اردو کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اردو کی خوشبو ہر اس علاقے تک پہنچے۔مگر آج صورت حال تھوڑی بدلی ہوئی ہے۔اردو کے تعلق سے اندازنظر بھی بدلا ہوا ہے، رویےّ میں بھی تبدیلی آئی ہے۔بہت سارے لوگ اس زبان سے ایک نئی قربت محسوس کررہے ہیں۔ان افراد کو نظر میں رکھ کر ایک مضبوط لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اردو کی خوشبو ہر اس علاقے میں پہنچے جہاں اس کے چاہنے والے موجود ہیں۔اس کام کے لئے میری نظر میں اردو کی انجمنوں، تنظیموں اور اداروں کو متحرک ہونا پڑے گا۔پرانے زمانے میں انجمن ترقی اردو ہند کی بہت سی شاخیں تھیں، جو اردوزبان وادب کے تعلق سے بہت متحرک تھیں۔ہندوستان کے مختلف ریاستوں میں یہ انجمنیں کام کرتی تھیں اور اس کے مفید اور مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے تھے۔ضرورت ہے کہ ہر علاقے میں ایسی ایک اردو انجمن، تنظیم، ادارہ قائم کیا جائے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو بیدار کیا جائے۔اس بیداری کا ہمارے سماج پر اچھا اثر پڑے گا اور اردو کا ایک نیا معاشرہ وجود میں آئے گا۔

میری اپنی رائے یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں میں لائبریریوں کی تشکیل بھی ضروری ہے کہ ان کے ذریعہ ہی اردو کتابوں اور رسائل تک قاری کی بہ آسانی رسائی ہوسکتی ہے۔کیوں کہ زیادہ تر علاقوں میں مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس نہ کوئی اچھی لائبریری ہے۔یہاں تک کہ ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو اردو کتابوں اور رسائل سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہتا ہے۔حال ہی میں میں اپنے علاقے میں کسی جلسے میں مدعو کیا گیا تھا جو مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری کے نام سے قائم کی گئی تھی۔اوراسی کے تحت یہ پروگرام منعقد کیا گیا تھا۔اسی پروگرام میں میں نے محسوس کیا کہ وہاں کچھ نئی کتابیں درکار ہیں۔میں نے اپنی ساری کتابیں اس لائبریری کے لئے ارسال کیں اس طرح میں نے منتظمین کی مدد کردی۔آج بھی اسی مقصد کے تحت بہت سی لائبریریوں کا قیام عمل میں آرہا ہے۔میری اپنی یہ رائے ہے کہ ان لائبریریوں نے سماجی تعلیمی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار بھی ادا کیا ہے۔اس لئے ہم ان لائبریریوں کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔مجھے بڑے ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اب یہ کتب خانے اور لائبریری دم توڑنے لگی ہیں۔ایسے میں ضرورت ہے کہ ان لائبریریوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے، اور انہیں تمام وسائل مہیا کرائے جائیں تاکہ ان لائبریریوں کی وجہ سے ہندوستان میں شائع ہونے والی کتابوں اور رسائل وہاں تک پہنچیں۔اورلوگ اس سے استفادہ کرسکیں۔یہی ایک ذریعہ ہے کہ اردوزبان

(بقیہ صفحہ 41پر)

# غزلیات

## ڈاکٹر مسعود جعفری

H.No:8-1-43/1/A/5,SatyaColony
Shaikhprt.Hyderabad-500008

تمہاری بزم میں عاشق تمام آیے ہیں
بھری بھری سی صراحی گلاس لایے ہیں
تمہیں ہی دیکھنے لے کر کے آرزو دل میں
زمیں پہ چاند ستارے اتر کے آیے ہیں
تمہارے حسن کے پرتو سے بزمِ دنیا میں
بہت سے لوگ سرِ شام جگمگایے ہیں
ہمارے ہونٹوں پہ مسکان ہے محبت کی
چھلکتے درد کو آنکھوں میں ہم چھپایے ہیں
لہو نکال کے بھی دے دیا ضرورت پر
بہت سے آپ کے احسان بھی چکایے ہیں
اس ایک ملک میں رہنے کے واسطے مسعود
فساد دنگوں میں ہم اپنے گھر لٹایے ہیں

## سلیم انصاری

HIG-3,AnandNagar
Adhartal.Jabalpur-482004(M.P)

انا کو ریگِ لہو میں غزال ہم نے کیا
جنوں سے دشت کا رشتہ بحال ہم نے کیا
لٹایے اشک کے گوہر کھلایے درد کے پھول
زمینِ شعر تجھے مالا مال ہم نے کیا
بکھر کے رہ گئے اپنے وجود میں لیکن
کبھی دراز نہ دستِ سوال ہم نے کیا
اسی زمیں نے کیا آخرش قبول ہمیں
تمام عمر جسے ہم نے پائمال کیا
سلیم پہلے اسے سارے اختیار دیے
پھر اس کے بعد کوئی عرضِ حال ہم نے کیا

## ظفر اقبال ظفر

170,Kheldar.fatehpur-1(U.P)
Mob-7379512431

بیتی ہے عمر ریت سے پانی نکالتے
تشنہ لبی کی تشنہ کہانی نکالتے
کاغذ پہ آج بھی ہے ادھوری مری غزل
مدت ہوئی ہے مصرعِ ثانی نکالتے
مفہومِ عشق کا نہ سمجھ پایے ہم کبھی
گزری ہے ساری عمر معانی نکالتے
اک عمر جس کی خوابِ تمنا میں کٹ گئی
آنکھوں سے کیسے خواب جوانی نکالتے
رکھی ہوئی تھی آگ ہی سب کی زبان پر
کس کس زباں سے شعلہ بیانی نکالتے
قربت نہیں ہے جب سے ہماری حیات میں
سانسوں میں اپنی کیسے روانی نکالتے

## عظمت علی عظمت

4-1-1,FlatNo-204.V.J.Cricent
Heights.Opp:NasirMasjid.
BalajiNagar.Kurnool-518006

جن کو نہیں ہے اپنے ہی ماں باپ کی خبر
ان پر خدا کی کیسے کرم کی بھی ہو نظر
جو دوسروں کو دیتے ہیں صبر و رضا کا درس
وہ خود ہیں اپنے نفس کی حالت سے بے خبر
جو لچھے دار باتوں سے بہلاتے ہیں یہاں
ایسے فریبیوں کا نہ لینا کوئی اثر
جن کو پتہ نہیں ہے کہ منزل ہے کس طرف
کرتے ہیں دعویٰ وہ کہ ہمارے ہیں راہ بر
اونچی عمارتوں کی نہیں ہم کو آرزو
کافی ہے اپنے واسطے مٹی کا ایک گھر
عظمت جو نام آقا کا آیا زبان پر
روشن ہوئے ہیں اپنے خیالوں کے بام و در

## ڈاکٹر حبیب راحت حباب

Darussalam.GulshanNagar
GaliNo-2.HazratKhanShahWali
Colony.Khandwa-450001(M.P)

بس ہونٹوں سے چھونا پلانا نہ پینا
کوئی تو سکھا دے انھیں کچھ قرینہ
یہی شغل ٹھہرا ہے اب زندگی کا
جو ہو چاک سینہ تو یہ چاک سینا
کوئی غم کسی میں کوئی غم کہیں پر
مرے دل کی رٹ ہے مدینہ مدینہ
ہمیں ہیں کہ پیہم بڑھے جا رہے ہیں
جہاں حوصلے ہیں پسینہ پسینہ
ذرا کھول کر روزنِ دل بھی دیکھو
کہاں ڈھونڈتے پھر رہے ہو خزینہ
ادھیڑے ہیں جو زخم تم نے تو سن لو
تمھیں کیوں پڑے گا یہ بخیے بھی سینا
یہ صدقہ حباب ان کے ہے دم قدم کا
مرا دل تھا یثرب جو ہے اب مدینہ

## سید نور الحسن نور نوابی عزیزی

QazipurShareef.Fatehpur(U.P)

تشنگی سے دور کر دے جانِ میخانہ مجھے
ہو عطا دستِ کرم سے ایک پیمانہ مجھے
اے مرے دل! اپنی آنکھوں کو کھلی رکھنا ذرا
دیکھنا ہے آج اس کو بے حجابانہ مجھے
جب سے اس کے گرد میں نے رقصِ دیوانہ کیا
اہلِ گلشن کہہ رہے ہیں اس کا پروانہ مجھے
جس نے تیرے پاؤں چومے آتے جاتے بارہا
چاہیے اس خاک کا ملبوسِ شاہانہ مجھے
یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ رہنے کے لیے
بے در و دیوار کا بخشا ہے کاشانہ مجھے
سنگ خانے کے سوا کچھ بھی نہ تھا میرا وجود
کر دیا ہے اک نظر نے آئینہ خانہ مجھے
ہے اسی امید پر اے زندگی میرا مدار
کاش وہ اک بار کہہ دے اپنا دیوانہ مجھے
کیا خبر اے نور سوکھے لب پہ کیا گزرے مگر
"تشنگی پھر لے چلی ہے سوئے میخانہ مجھے"

## صابر کاغذنگری

H.No:1-3-35/B,NearOldRailwayGate
SanjeeVaiahColony.Sirpur
Kagaznagar-504296(T.S)

رنگینیٔ نشاط تو باغِ جہاں میں ہے
ہر فرد کی حیات مگر امتحاں میں ہے
کس کے قدم پڑے کہ معطر ہوا چمن
مہکی ہوئی فضا جو حسیں گلستاں میں ہے
آوازِ حق دبانے کی جرأت نہ کیجئے
حقانیت کی گونج بلالی اذاں میں ہے
کشتی بتا رہی ہے سمندر کا حالِ زار
موجوں کا اضطراب جو سیلِ رواں میں ہے
ظلم و ستم ہے، جور و جفا اور انانیت
پیوست تیرا زعم تری نبضِ جاں میں ہے
وہ خوگرِ ستم ہیں تو ہم پیکرِ وفا
انسانیت کا فرق یہی داستاں میں ہے
جیسے ہی اس کے ہوش ٹھکانے پہ آئیں گے
لوٹ آیے گا زمیں پہ ابھی آسماں میں ہے
تزئینِ کائنات کی رونق ہے دل نشیں
صابر خدا کا نور جو بزمِ جہاں میں ہے

Qtr.No-E/2. P.W.D Colony
BrooksHills.Sambalpur-768001

تیرا خیال پھر دلِ مضطر میں آگیا
پیتا کیا منہ سے آنکھوں ہی آنکھوں سے پی لیا
گل چیں نے توڑے گل سبھی فصلِ بہار میں
گلشن ہمارا اس طرح برباد ہوگیا
آداب و خلق سے تھا سراسر وہ بے نیاز
دستک دیے بغیر مرے گھر میں آگیا
عہدِ شباب میں ہے کیا حسنِ تمکنت
کیا رنگ و روپ آپ کے پیکر میں آگیا
فضلِ خدا سے ایسا بھی ہوتا ہے معجزہ
رحم و کرم کا جذبہ ستمگر میں آگیا
لطف و نعم سے رب کے ہوں دل شاد میں شعور
راضی ہوں جو بھی میرے مقدر میں آگیا

## پھول محمد نعمت رضوی

C\o:AmjadiKitabGhar.NearHigh
School.At/P.O:Sonbarsa
Sitamarhi-843330(Bihar)

اپنے لیڈر کا جو کردار سمجھ لیتے ہیں
ان کے اثبات کو امکار سمجھ لیتے ہیں
اس سے ہم رکھتے نہیں کوئی تعلق ہرگز
جس کے کرتوت کو اک بار سمجھ لیتے ہیں
ہم بہاتے ہیں وہاں اشکِ ندامت فوراً
جس گھڑی خود کو گنہگار سمجھ لیتے ہیں
ذہنیت رکھتے ہیں تاجر کی طرح جو بھی یہاں
وہ محبت کو بھی بیوپار سمجھ لیتے ہیں
ٹوٹ جاتا ہے بھرم ان کا یہی دیکھا ہے
خامشی کو بھی جو ہتھیار سمجھ لیتے ہیں
خدمتِ خلق بڑی چیز ہے نعمت لیکن
جو ہیں نادان وہ بیکار سمجھ لیتے ہیں

H.No:14-6-39,Nizampura
MandiBazar.Warangal
Dist:Warangal-506002(T.S)

تم کو مطلب ہے دل دکھانے سے
کیا ملا یوں مجھے ستانے سے
یاد آنے لگا ہے پھر بچپن
کیا حسیں دن تھے وہ سہانے سے
بجلیوں کی یہ مہربانی ہے
شعلہ اٹھتا ہے آشیانے سے
کچھ خبر بھی ملی نہیں ان کی
ان کو دیکھا نہیں زمانے سے
ہاتھ عکسی سبھی ملاتے ہیں
پیار بڑھتا ہے دل ملانے سے

## مجیب اللہ خاں پرواز

PlotNo-9,IndiraprasthaColony
Phase-1,Pokhriput
Bhubaneswar-751020(Odisha)

وہ اپنے گاؤں کے چھپر کے گھر میں رہتا ہے
کھلی ہوا کھلے سایے شجر میں رہتا ہے
کوئی مقابلہ گاؤں کی زندگی کا نہیں
وہ اس لیے تو بہت کم نگر میں رہتا ہے
نہ اختلاف، نہ جھگڑا کسی سے ہے اس کا
نہ ذکر میں نہ اگر اور مگر میں رہتا ہے
نگر میں شور شرابا ہے ہم جدھر جائیں
سکون گاؤں کی لیکن ڈگر میں رہتا ہے
نہیں ہے شوق اسے وقت ضائع کرنے کا
وہ اپنے کام سے کارِ سفر میں رہتا ہے
خلوص جس کی طبیعت میں ہوتا ہے پرواز
سدا وہ آدمی سب کی نظر میں رہتا ہے

C/O:SafiAhmed.147,K.B.M.Road-2
FitkriMohalla.Champdani
Hoogly-712222(W.B)

بڑے ہوکر وہ اپنی حدِّ من مانی میں رہتے ہیں
جو بچے بھوک اور غربت کی نگرانی میں رہتے ہیں
انھیں مزدور کے ہاتھوں میں سکّے فخر کرتے ہیں
کمائی کے لیے جو دھوپ اور پانی میں رہتے ہیں
ہمیشہ جن کو رہتی ہے شکایت اپنی قسمت سے
خوشی میں بھی بتائیں گے پریشانی میں رہتے ہیں
ہمارے دور میں بیکاری اتنی بڑھ گئی یارو!
کہ ڈگری علم کی پاکر وہ دربانی میں رہتے ہیں
بنانا چاہتے ہیں چاند پر کچھ لوگ گھر اپنا
بڑے نادان ہیں جو دشتِ نادانی میں رہتے ہیں
کہیں یہ وقت ان کے ہاتھ میں کاسہ نہ دے مفتاح
جنھیں یہ زعم ہے کہ قصرِ سلطانی میں رہتے ہیں

## عزیز بلگامی

No.K-102, 1-2.SaleemManzil
1stFloor,1stMain,2ndCross
VenkatgowdaLayout.Kempapura
Hebbal P.O.Bangluru-560024

پڑھتے ہویے یوں دیکھی غزل ماہرِ فن کو
پڑھتا ہے کوئی جیسے ترنم سے بھجن کو
بلبل ہی گلستان میں کیوں گوشہ نشیں ہے
''کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو''
مالی بھی ہے صیاد کا حامی بھی بہیت ہے
وہ روندنے نکلا ہے خود اپنے چمن کو
اب چیخ بھی نغمہ ہے، مری آہ بھی نغمہ
محفوظ کیا یوں ہی نہیں اپنے دہن کو
میں نے تو فقط نام لیا ایک خدا کا
دیکھو تو ذرا برہمیٔ اہلِ وطن کو
پانی کی تو خصلت ہے کہ وہ آگ بجھادے
پھر کیسے عزیزؔ آگ لگی گنگ و جمن کو

## ذکی طارق بارہ بنکوی

Editor,Sada-E-Bismil.SadatGanj
Barabanki-225206(UP)
Mob-7007368108

سرحدِ جنوں سے بھی آگے اب گزر جاؤں
دل یہ میرا کہتا ہے یار تجھ پہ مر جاؤں
اس سے پہلے کہ میری آنکھ اندھی ہوجایے
اور کسی کے چہرے تک لے کے جو نظر جاؤں
پھر تو میرے دل سے یہ خوف ہی نکل جایے
جتنا تجھ سے ڈرتا ہوں اتنا رب سے ڈر جاؤں
جیسے میری آنکھوں میں آکے بس گیا ہے تو
کاش تیرے دل میں بھی ویسے میں ٹھہر جاؤں
قصے بھول جایے یہ دنیا لیلیٰ مجنوں کے
چاہتا ہوں میں تجھ سے ایسا پیار کر جاؤں

## سبطین پروانہؔ کٹیہاری

At Dilalpur.P.O:Salmari
Dist:Katihar-311558(Bihar)

یہاں نفرت سکھائی جارہی ہے
نئی دنیا بسائی جارہی ہے
ہماری ذات پہ ہر قتل وخوں کی
سدا تہمت لگائی جارہی ہے
کفِ افسوس قاتل مل رہا ہے
مری میت اٹھائی جارہی ہے
نیا مندر بنایا جارہا ہے
کوئی مسجد گرائی جارہی ہے
کریں وہ جرم پروانہ ہمیشہ
مصیبت ہم پہ لائی جارہی ہے

## محمد رضوان ندوی

UrduTeacher.S.S.HighSchool
Telta.Katihar-854317(Bihar)

مے کدے میں بارشِ مے عام ہے
پھر بھی خالی آج میرا جام ہے
راہِ حق میں رہ سکوں ثابت قدم
بس دعا میری یہ صبح و شام ہے
دشمنوں کے داؤ سے محفوظ ہوں
رب کا مجھ پر یہ بڑا انعام ہے
اس گلی میں مجھ کو پہنچا دے کوئی
جس گلی میں میرا وہ گلفام ہے
کرکے وعدہ پھر مکر جاتا ہے وہ
اس حسیں کی یہ روش تو عام ہے
تم بھی پہنچو آج رضواںؔ میکدہ
میکدے میں جب صلائے عام ہے

## اجے عالم

Jhardsuguda.Odisha
Mob-9776031506

اگر زمیں کا کوئی پاسباں نہیں ہوتا
تو اپنے سر پہ کبھی آسماں نہیں ہوتا
شرر میں، برق میں، شمس وقمر میں، پھولوں میں
وہ جلوہ گر تو ہے لیکن عیاں نہیں ہوتا
پڑوسیوں کو بھی جلنے کی نہ خبر ہوتی
ہمارے گھر سے جو اٹھتا دھواں نہیں ہوتا
جو اپنی تلخ بیانی پہ ناز کرتا ہے
تو اس کی باتوں میں حسنِ بیاں نہیں ہوتا
کہاں حویلی میں تم ڈھونڈتے ہو عالمؔ کو
کسی غریب کا پختہ مکاں نہیں ہوتا

## عارفؔ محمد عارف

At:BadaShankarpur.Qureshi
Mohalla.Post:Bhadrak-756100

پھر سے بگڑا جو مقدر تو سنوارا نہ گیا
ہوکے ساحل پہ بھی ساحل پہ اتارا نہ گیا
جل گئے گھر کئی کیسی تھی یہ آتش بازی
یار کچھ اس میں تمہارا نہ ہمارا نہ گیا
یوں تو شمشیر زنی دونوں طرف سے تھی ہوئی
جنگ تو خوب ہوئی ایک بھی مارا نہ گیا
جیت کس کی ہوئی معشوق کی یا عاشق کی
جب یہ معلوم ہے دونوں سے ہی ہارا نہ گیا
گرچہ رویا ہوں بہت میں یہاں افسوس مگر
تیرے دامان تلکؔ اشک کا دھارا نہ گیا
نام فہرست میں عارف کا ہے سب سے آگے
سب بلایے گئے اک میں ہی پکارا نہ گیا

## یونس عاصم

Composer,Adbi Mahaz,
Cuttack-Mob-9090156995

یوں مجھے حالات کے زیرِ اثر رکھا گیا
"آنے والے موسموں سے بے خبر رکھا گیا"
اس کے وعدے پر یقیں مجھ کو نہیں تھا دوستو
در کھلا آنکھوں کا پھر بھی رات بھر رکھا گیا
اس لیے آتی نہیں اس میں اجالوں کی مہک
روشنی کے فیض سے محروم گھر رکھا گیا
اپنی کوشش بارآور ہو نہیں پائی کبھی
اس لیے ہر فیصلہ تقدیر پر رکھا گیا
ظلم کا بڑھتا رہے گا دائرہ ہر ایک روز
خامشی کی قید میں خود کو اگر رکھا گیا
سارے لفظوں کو قبا مفہوم کی مل جایے گی
فکر کو عاصمؔ اگر محوِ سفر رکھا گیا

## شارق ریاضؔ

A,PatwarParaLane-9
Kolkata-700011(W.B)
Mob-9088561437

وہ اچانک آگیا جو مسکرا کے سامنے
ہوگیا کافور غم پھر غم رسا کے سامنے
تھا ارادہ اس سے میرا برملا اظہار کا
لب نہ کھل پایے مگر اس دلربا کے سامنے
بے وفائی مجھ میں یا تیری وفا میں نقص تھا
فیصلہ ہوجایے گا اک دن خدا کے سامنے
موت ایسی شے ہے جس پر زور کچھ چلتا نہیں
سرنگوں ذی روح ہوتے ہیں فنا کے سامنے
کس قدر ظالم ہے شارقؔ اس کا یہ انداز بھی
مہرباں ہے غیر پہ مجھ کو بٹھا کے سامنے

## محمد فرقان فیضی

Berhampuri.Sarlahi.Nepal

وفا کی راہ میں ہر موڑ پر صدمہ ملے گا
کہیں کچھ کم ملے گا، اور کہیں زیادہ ملے گا
اسی امید پر غم کو لیے بیٹھا ہوا ہوں
لپٹ کر روؤں گا جب بھی کوئی اپنا ملے گا
کتابِ زیست میں تیرے سوا کچھ بھی نہیں ہے
قسم سے کہہ رہا ہوں ہر ورق سادہ ملے گا
کسی درویش کا دل توڑنے والے ستمگر
یہ کیسے تو نے سوچا تجھ کو شہزادہ ملے گا
خدارا واعظوں سے کہہ دو نہ آئیں یہاں پر
یہ بزمِ رند ہے بادہ و پیمانہ ملے گا
جیے جاتا ہوں فیضیؔ بس اسی امید پر میں
کسی دن تو تمہارے شہر کا رستہ ملے گا

## جبیں نازاں

2ndFloor.NearAbdullaMasjid
GaliNo-12,RameshPark.
LuxmanNagar.NewDelhi-92

مسجد میں اذاں کی یہ صدا ہے کہ غزل ہے
جلتا ہوا مندر میں دیا ہے کہ غزل ہے
پھولوں میں چھپی ہوش ربا ہے کہ غزل ہے
اوڑھے ہویے خوشبو کی قبا ہے کہ غزل ہے
دیکھیں یہ قیامت کی ادا ہے کہ غزل ہے
دلبر کا سراپا ہے قضا ہے کہ غزل ہے
معشوق کا قاتل ہے مسیحا کہ غزل ہے
خسرو کہ اسدؔ میرؔ نوا ہے کہ غزل ہے
اچھا یا برا وقت گزر جاتا ہے آخر
حالات کے ماروں کی صدا ہے کہ غزل ہے
مومن کی اصالت سے یہ معراجِ محبت
سجدے میں جبیںؔ اس کی سدا ہے کہ غزل ہے

## شعیب سخن

Basohni.Fatehpur-212601(U.P)
Mob-7052562059

بہار سے ہے کچھ ایسا جڑاؤ آندھی کا
کہ کوئی بھانپ نہ پایے چڑھاؤ آندھی کا
بچا سکو تو بچاؤ گھروں کی پر چھتیاں
الاؤ مان گئے ہیں سجھاؤ آندھی کا
چلی تو جو بھی ملا ساتھ لے لیا اس کو
ہمارے جیسا نہیں ہے سبھاؤ آندھی کا
اگر بکھیر رہی ہے تو سوگ مت کیجیے
پھلوں نے خود ہی کیا ہے چناؤ آندھی کا
نظر کی مٹھی میں آتی ہے سرکشی کیول
کسی کو دکھتا نہیں ہے تناؤ آندھی کا

## نورؔ آفاق

H.No:2/153,O.P.Street
JafarabadPost.Vaniyambadi-635754
VelloreDistrict(T.N)

دل افسردہ سانسیں بوجھل — کیا جانے کیا ہو اگلے پل
اک انجانا خوف دلایے — ہر دن آنے والا کل
کتنے روپ ہیں اک انساں کے — مالک، نوکر، سادھو، پاگل
برسیں گے یا ترسائیں گے — دیکھیں کیا کر جائیں بادل
زرّیں ہے، انمول بہت ہے — عہدِ جوانی کا اک اک پل
مل کے رہے گا سب کو اک دن — اپنی اپنی محنت کا پھل

موت آیے گی نکلے گا پھر
نورؔ انساں کا سارا کس بل

افسانہ

**حنیف سیّد**
12/34,SuiKatra
Agra-282003(U.P)
Mob-9319529720

# پھول کے عوض

آج پھر دے دی اُس نے مات، اور ایسی مات کہ اَب کوئی اور بساط بچھانے کے لائق نہ رہی میں، یعنی کہ آخری مات۔ قبر کے آخری پٹلے جیسی، شاخ سے گرے پھول کی طرح۔

’’بڑا پیارا ہے گلاب کا پھول۔‘‘ تقریباً بیس برس پیشتر پہنچ گئی اُس کے لان میں۔

’’تو توڑ لونا ....!‘‘ اُس کی اجازت سے پھول توڑا ہی تھا کہ اُس نے ہاتھ تھام لیا میرا۔

’’کیا چاہتے ہو تم ....؟‘‘ میں نے پوچھا۔

’’چپّی۔‘‘

’’تو لونا ...! میں نے کب انکار کیا ....؟‘‘ میں نے آنکھیں بند کر کے چہرہ اُس کے قریب کر دیا۔

’’ایسے نہیں۔‘‘

’’پھر کیسے ....؟‘‘

’’شادی کے بعد۔‘‘

’’نہیں چاہیے یہ پھول۔‘‘ میں نے پھول پھینک کر ہاتھ چھڑا لیا۔

’’تو لگا دو اُسی شاخ پر ....!‘‘

’’یہ کیسے ہو سکتا ہے ....؟‘‘

’’توڑنے سے پیشتر کیوں نہیں سوچا آپ نے ....؟‘‘

’’کیا علم تھا کہ عِوض چاہو گے پھول کا۔‘‘

’’ہر احسان یا مہربانی میں کچھ نہ کچھ چھپا ہوتا ہے۔‘‘

’’یہ پہلے بتایا ہوتا۔‘‘

’’ پوچھا کیوں نہیں پہلے ....؟‘‘

’’کیا معلوم تھا کہ اِس خواہش کے عِوض کچھ چکانا بھی پڑے گا۔‘‘

’’اپنی خواہش کی تکمیل کے بعد اُس کے عِوض میں دوسروں کی خواہش کو نظر انداز کرنے والے خود غرض ہوتے ہیں۔‘‘ وہ نہ جانے کیا کیا کہتا رہا، اور میں گھر آ گئی۔ اکثر سوچا کرتی کہ اُس نے میری خواہش کا احترام کیا تو مجھ کو بھی اُس کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ خواہش، خواہش ہے۔ ہو چاہے جیسی بھی۔ ویسے تو اُس کی بات ماننے میں کوئی عار نہ تھی مجھ کو۔ وہ دولت مند تھا، اور خوب صورت بھی۔ خود غرض ہوتی تو مان لیتی۔ انکار اِس لیے کیا کہ وہ میرا محبوب تھا۔ اور میں اُس کے لائق نہ تھی۔ وہ امیر تھا، اور میں غریب۔ چلو یہاں تک تو چل جاتا۔ پانچ سال بڑی بھی تو تھی اُس سے۔ اُس کی ضد پر چلو یہ بھی اِس لیے چل جاتا، کہ اِس کا علم تو تھا اُس کو، اور خود کو کسی حد تک سمجھا بھی لیتی۔ لیکن اہم بات یہ تھی کہ وہ جو سمجھتا تھا، وہ تھی نہیں میں۔ یعنی کہ کنواری نہ تھی۔ چوں کہ وہ اصول پرست تھا۔ اسی لیے میں بھی ضمیر کے پُل صراط پر لٹکی تھی۔ یعنی کہ پارسا نہ تھی۔ جانے کتنے کھیتوں کی منہ ماری ہرّ اٹ بکری تھی میں، وہ بھی کب دودھ کا دُھلا تھا ....؟ نہ جانے کتنے قصّے سنائے بھی تھے اُس نے۔ ایسی حالت میں اُس کی بات مان لینے میں کوئی قباحت بھی نہ تھی، کیوں کہ ہم دونوں ہم حمّام تھے۔ فرق تھا تو اِتنا کہ وہ سب کچھ بتا چکا تھا، اور میں بہت کچھ چھپائے رکھنے پر مجبور تھی۔ حالاں کہ کئی موقعوں پر اپنا جسم اُس کی آغوش میں ڈھیلا چھوڑ دیا تھا میں نے، لیکن اُس نے شادی سے پیشتر منہ مارنے سے ہر بار انکار کر دیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ نہ جانے کتنی فُوٹ بالوں پر لات مارنے والا شخص، جب اُصول کی بات کرتا ہے، تو میں پیچھے کیوں رہوں۔ اسی لیے اُس کے آفر کو ہر بار پامال کرتی رہی۔ اور اُنھیں اصولوں پر رہنے کے ناتے میرا محبوب رہا وہ۔ ویسے نہ جانے کتنوں سے ناتا جوڑنے کے بعد میں نے چلتا کیا سب کو۔ کاش میری خواہش اور کوشش پر ایک بار بھی منہ مار لیتا کبھی، تو ممکن تھا کہ اُس کا آفر نہ ٹھکراتی۔ چوں کہ ہر بار میری پیش کش ٹھکرائی اُس نے، اِس لیے میں نے بھی تہیہ کر لیا کہ وہ اصول توڑ بھی دے گا، تب بھی اپنے عہد پر قائم رہوں گی، کیوں کہ کچھ ایسا بھی تھا جو تا حیات چھپائے رکھنا تھا۔ وہ یہ کہ ایک بچّی کی ماں بھی تھی میں۔

’’بیٹی، سلام کرو خالہ جان کو ....!‘‘ باہر کا دروازہ کھول کر، اپنے پیر نِل پالش اور مہندی سے چمکائے، پازیب کے سُروں کا سرگم کانوں میں گھولتی ہوئی، خضاب لگے بالوں سے گندھی چوٹی کو مستانی چال سے لہراتی ہوئی، اندر داخل ہونے والی اَن جانی خالہ جان کو، پہلے ماں نے سلام کرنے کے بعد، مجھ سے سلام کرنے کو کہا۔ سلام کے جواب سے پیشتر خالہ جان نے مجھ بکری کے جسم کو قصائی کی کجراری آنکھ سے ٹٹولا، پھر گہرے رنگ کی لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں پر تبسّم کی کلیاں چٹکاتے ہوئے آگے بڑھ کر خوشبو سے مہکتے ہوئے پہلو میں جکڑا، پھر کہنیوں تک

مہندی لگے ہاتھ کو کلائی بھری چوڑیوں سے کھنکا کر سر پر پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ جھرّیاں پڑے، کریم پاؤڈر سے اَٹے خوب صورت چہرے والے منہ میں دبے خمیرہ پڑے پان کی بھبک نے میرے ذہن پر ایسا وار کیا کہ تلملا گئی میں۔ بناؤ سنگار سے تیرہ چودہ کی بننے والی، لگ بھگ پینتالس کی خالہ جان کے نہ جانے کیا احسانات ہوں گے کہ دو دن تک مجھ سے الگ، ماں سے پھُسر پھُسر کرنے کے بعد، ماں نے ہر دم اپنی آنکھوں میں رکھنے والی بِن باپ کی مجھ اکلوتی کو اُن کے ایک اِشارے پر میرے انکار کے باوجود اُن کے ہم راہ کر دیا۔ وہ جنگ جیتنے کے انداز میں خوشی خوشی فرید آباد اپنے گھر پہنچیں اور ایک رات اپنے میاں سے پھُسر پھُسر کر کے اگلی صبح ہی گھر کا سارا سامان سٹّا لے کر پلاننگ کے تحت بریلی کی انجان بستی میں پہلے سے لیے کرایے کے مکان میں جا پہنچیں۔ دو ہی دنوں کی آؤ بھگت میں خالہ جان نے دِل ہاتھ میں لے کر اپنے گہنے کپڑے لاد کر سولہ سنگار کر کے دلھن بنا کر اپنے پاس سلا لیا۔ اچانک ایک آہٹ سے آنکھ کھلی تو کوئی قصائی پاس تھا۔ اُس نے بکری کی طرح اُٹھایا، اور دے مارا۔ میرے جسم میں بھی طوفان اُمڈا، اور میرے وجود کو چرمرا کر چکنا چور کر گیا۔ میں بھاری بھرکم گہنوں اور کپڑوں میں دبی سہمی کانٹا پھنسی مچھلی زور سے بلبلائی اور تڑپ کر رہ گئی۔ خالو میاں جب بھیڑیے کی طرح منہ مار کر نکل لیے، تو خالہ جان آئیں، اور بڑے پیار سے گود میں دبوچ کر بیٹھ رہیں۔ کافی دیر تک پچکارتی، سہلاتی اور سر دابتی رہیں۔ دستِ شفقّت کے مرہم سے راحت پا کر نیند کی آغوش میں کب لڑھک گئی، پتا نہ چلا، اور جب آنکھ کھلی، تب بھی خالہ جان کی آغوش میں تھی، اُس روز پورے دن خالہ جان نے چارپائی سے نیچے نہ اُترنے دیا مجھ کو، شام کے دھند لکے سے دِل میں پھر طوفان اُٹھنے لگے۔ رات چڑھی تو خالہ جان بہلا پھسلا کر بحرِ ظلمات میں پھر دھکیل گئیں۔ کچھ روز یہی معمول رہا۔ پھر تو خالو میاں جب چاہتے میرا ہاتھ تھام کر حمّام میں اُتر جاتے۔ میں بھی جذبۂ شوق کے سمندر میں اِس حد تک ڈوب گئی کہ جیسے ہی خالو میاں دامن دراز کرتے میں پھول کی مانند شاخ سے ٹوٹ کر اُن کی جھولی میں خود بہ خود بھر جاتی۔ میرے دِن چڑھے تو خالہ جان نے دھوم دھام سے نیاز کرائی اور بڑے چاؤ سے لڈّو منہ میں ٹھونس کر، مجھ پر ناگن کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گئیں۔ مجال کیا کہ خالو میاں پھر آنکھ بھی اُٹھا پاتے مجھ پر۔ اُن کے لاڈ پیار نے میرے پیروں میں منہدی لگا کر اُٹھنا بیٹھنا محال کر دِیا۔ کافی دنوں تک گھبرائی گھبرائی انجانے خوف سے ایک عجیب سی کیفیت محسوس کرتی رہی۔ بہ ہر حال جو ہونا تھا وہ ہوا، اور چاند جیسی بیٹی کو میری آغوش سے اُٹھا کر خالہ نے اپنی چھاتی سے لگا لیا، اب تو خالہ جان دِن بھر میری بیٹی کو لیے پڑی رہتیں اور میں نوکرانی کی مانند گھر کے کام نبٹاتی رہتی۔ خالہ جان بچّی کو اُوپر کا دودھ پلاتیں، اور مجھ کو بچّی کے پاس بھٹکنے نہ دیتیں۔ میں کوشش کرتی بھی تو ڈانٹ دیتیں۔ اُن کا پہلے جیسا پیار کافور ہو گیا۔ ایک دِن جیسے ہی بیت الخلا گئیں، میں بچّی کے قریب پہنچ گئی۔ وہ فوراً آ کر برس پڑیں مجھ پر، ماں کو فون کر کے فوراً بلایا اور بوریا بستر باندھ کر بِن بچّی کے چلتا کیا مجھ کو۔ پھر تو چارا کھائی بکری ہرّاٹ ہو گئی۔ اِدھر اُدھر منہ مارنا کمزوری بن گیا میرا۔ ایسی پُل صراط سے گرنے کے بعد سمندر کی لہروں کے تھپیڑوں سے بچ بھی کیسے پاتی، اِدھر اُدھر غوطے مارنا کمزوری بن گیا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ مجھ کو بس اُسی سے پیار تھا۔ پیار نہیں بل کہ عشق کہیے عشق۔ وہ بھی جنونی کیفیت تک۔ لیکن پتا نہیں دِل کیسا تھا، جو ضمیر کے ہاتھوں ہمیشہ پٹخیاں کھا جاتا تھا۔ ورنہ تو اس کی پیش کش پر کب کی شادی کر چکی ہوتی۔ اُس کی آغوش میں سما جانے کے لیے تو تھی ہی بے قرار، لیکن وہ تھا کہ شادی کی ضد پر اَڑا تھا، جھوٹی پلیٹ محبوب کے رو بہ رو رکھنا خمیر میں نہ تھا میرے۔ حالاں کہ وہ بھی اِس عمل سے اچھوتا کب تھا؟ بہت سے قصّوں میں اُس نے بتایا کہ فلمی اداکارہ گلستاں کے یہاں، اُس کے بچپن میں ایک بار ''سنبوسے'' لے گیا تو گلستاں کی امّی نے گلستاں کے انکار کے باوجود ''سنبوسے'' رکھ ہی نہیں لیے تھے بل کہ کھانے پر مجبور بھی کر دیا تھا۔ اُس اِحسان تلے دبی گلستاں آج بھی اِنکار نہیں کرتی۔ یہ بھی بتایا کہ صنوبر کی امّی کے آپریشن پر خون دینے کے عوض میں صنوبر کو اپنے ارمانوں کا خون کروانا پڑا۔ شبنم کے یہاں چولھے پر توا چڑھوا کر سب کی آنکھوں میں روشنی کرنے کے عِوض میں شبنم کا ہاتھ پکڑا تو اُس نے خود بہ خود آنکھیں بند کر کے قرض اُتار دیا۔ وہ اکثر ایسے قصّے سنا سنا کر پھول توڑ لینے کا عِوض چاہتا، اور میں ہر بار جسم ڈھیلا چھوڑ کر قرض ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاتی، لیکن وہ منہ پھیر کر کہتا ''میری خواہش منہ مارنے کی نہیں، بل کہ شریکِ حیات بنانے کی ہے۔'' دِل چاہتا کہ اپنے ضمیر کو پیروں تلے روند کر اُس کی خواہش کا اِحترام کروں۔ لیکن ضمیر بغاوت کر دیتا۔ طرح طرح کے کیڑے مکوڑے کلبلا کر ضمیر کو لہولُہان کر دیتے، اور میں شادی سے انکار کر دیتی، اُس پر خود سر، خود غرض، مطلبی نہ جانے کیا کیا کہتا مجھ کو، ایک دِن ایسی ہی ایک بحث کے دوران میں نے پوچھا کہ اِحسانوں سے دبی گلستاں، روبی تبسّم، گلشن، عرشی، گلفشاں، خوشبو، صبا، ادیبہ اور روحی وغیرہ کو اِس لائن میں کیوں نہیں کھڑا کرتے، جس پر اُس نے جواب دیا، ''میں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ خواہش کو پورا کرنے والے کو اپنی خواہش کا بدل، اپنی مرضی سے نہیں بل کہ دوسرے کی خواہش کے مطابق چکانا چاہیے۔'' بات چوں کہ سچ تھی، ماننی پڑی مجھ کو۔

''صرف مجھ سے ہی شادی کرنے کا سبب کیا ہے ....؟'' میں نے پوچھ ہی لیا ایک دن۔

''دلّی میں عرشی نام کی ایک لڑکی سے مجھے عشق تھا، وہ بھی جان چھڑکتی تھی۔ لیکن اُس کے والدین نے روڑا بن کر اُس کو خودکشی پر مجبور کر دیا۔ وہ بالکل تمھاری ہم شکل تھی'' اُس نے بتایا، اور میں نے اُس سے شادی کا وعدہ کر کے اپنا فیصلہ ماں کو سنایا تو اُن کی آنکھیں پھیل گئیں، اور اُنھوں نے اُس کے والد کے قہر و غضب کی اُونچ نیچ سے آگاہ کر کے میرا ذہن ایسا پھیرا کہ اُسی رات اپنے ایک نئے عاشق کے ہم راہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گھر سے نکل گئی۔ کئی راتیں اِدھر اُدھر رہ کر گزاریں۔ والدہ نے چھاپا مار کر ایک مکان میں دھر دبوچا، اور فوراً نکاح پڑھوا دِیا۔ بعد میں پتا چلا، اُس کی پہلے سے ایک بیوی اور ہے، پھر تو اپنے نصیب کو کوس کر بیٹھ سمجھوتا کر لیا میں نے۔ کچھ میں دبی اور کچھ میری سوت، یعنی کہ جیسے تیسے دونوں تلواریں ایک ہی نیام میں سما گئیں۔ نیام میں تلواروں کا جو حال تھا، وہ میرا دِل ہی جانتا تھا، لیکن فی الحال نیام نے

دنیاوالوں کی آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ پردہ تو پردہ ہی تھا۔ کب تک رہتا، ایک نہ ایک دِن تو ہٹنا ہی تھا، آخر کو ایک دِن نیام چٹ سے ٹوٹ گیا، اور جب الگ ہوئی، تو گود میں ایک ہم شکل بچّی کے ساتھ۔ بچّی کے ہم راہ بحرِ ظلمات کے سمندر پار کرنے تھے۔ آخرش کار چوب کے اڈّے کے گرد گھومتے گھومتے بچّی سولہ کے سن کو جا لگی۔ جب کبھی بھی نصیب کی دہلیز پر ٹھوکر کھاتی، اُس کی تصویر سامنے آ کر شادی کا وعدہ نہ پورا کرنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتی مجھ کو، ویسے اُس سے سامنا کبھی نہ ہوا، اور اگر کہیں دِکھائی بھی دیا، تو میں نے خود کو مجرمہ محسوس کر کے راستہ بدل لیا، لیکن دل میں یہ بوجھ بنا رہا، کہ نئے کھیت میں اچانک بیٹھ رہنے کی کتنی بڑی بھول کی میں نے، کاش اپنا ضمیر کچل کر اُس کی بات مان جاتی، تو شادی کرنے کا وعدہ بھی پورا ہو جاتا، اور پھول توڑ لینے کا عِوض بھی۔

ایک روز ندی میں باڑھ آئی تو میں سامان سٹّا لے کر کرایے کے مکان میں جا پہنچی، سامان درست کرنے کے بعد جب تیسرے روز بیٹی کے ہم راہ مکان کی چھت پر چڑھی، تو پچھواڑے ایک نوتعمیر مکان کے لان میں اپنے دوستوں کے درمیاں محوِ گفتگو تھا وہ۔ کھان پان سے اُس کے جسم کی کاٹھی اُنیس نہ ہوئی تھی۔ میں تو چُپ چاپ اُتر آئی، لیکن بیٹی کو چھت پر جانے کے ساتھ ساتھ اُس کے مکان میں بھی جانے کا چسکا لگ گیا، بیٹی سے پتا چلا کہ مکان میں ماں بیٹے کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ بیٹی کی جوانی نے نیندیں حرام کرنی شروع کر دیں۔

ایک رات ذہن کے تل چٹّے نے رینگ رینگ کر یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ایسا ہو جانے میں ضمیر کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا، اور حالات کی دھوپ چھانو وعدہ شکنی کے نقوش کو مٹ میلا بھی کر دے گی، پھول توڑنے کے عِوض میں اُس کی خواہش پر اپنی کنواری کلی سونپ کر بدل بھی دے سکوں گی، اور اُس کو اپنی تمنّا کے مطابق عرشی بھی مل جائے گی اُس کو۔ کیوں کہ میری بیٹی ناک نقشے میں پوری طرح مجھ پر گئی تھی۔ یہی سوچ کر بیٹی کو اپنی لگام سے پوری طرح آزاد کر دیا میں نے۔ وہ بھی پوری طرح وہیں کی ہو رہی۔ بیٹی کو صاف ستھرا رہنے کا شوق بڑھ گیا۔ حالاں کہ وہ چال چلن کا اچھا نہ تھا۔ چوں کہ اِس تجربے سے خود ہی گزر چکی تھی کہ وہ اپنی سیج پر کنواری کلی ہی دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ کیوں کہ پھول توڑنے کی خواہش کا بدل دینے میں اپنے ہر جتن پر مات کھا چکی تھی میں۔

جب بھی بیٹی وہاں سے لوٹتی تو اپنے تجربے کی آنکھ سے اُس کا انگ انگ کھنگال ڈالتی، لیکن کوئی داغ نہ ملتا، بیٹی میں کچّے آم کی مہک پا کر باغ باغ ہو جاتی، اور اُس کے احترام میں سر فوراً جھک جاتا۔ پھر چھل چھل کر پوچھتی بھی۔ اکثر یہی جواب ملتا کہ اُسے ہی دیکھتے رہتے ہیں، ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں، سارا گھر اُسی پر چھوڑ دیا ہے، تجوری کی چابی بھی اُسی کے پاس ہے۔ حالات دیکھ کر سب ٹھیک چل رہا تھا۔ بس انتظار تھا تو صرف اِس کا کہ اُس کی ماں کسی دِن آ کر دو بول پڑھوانے کی اِجازت مانگے۔

عید آنے کو تھی۔ جھما جھم تیاریاں چل رہی تھیں۔ اُس نے بیٹی کے کپڑے منگوا کر عید کے کپڑوں کی ناپ دی، اور جب جوڑا سِل کر آیا تو آنکھیں پھیل گئیں، سوچنے لگی کہ شادی کے اِس جوڑے میں بیٹی کسی راج محل کی رانی لگے گی۔ عید کے دن قریب آتے گئے لیکن بات ٹس سے مس نہ ہوئی۔ سوچا کہ سلسلہ کیا چلنا۔ عید بعد سیدھے طور سے رسم ادا ئیگی ہی ہوگی۔ نہ مجھ کو کچھ دینا، اور نہ اُن کو ڈھنڈورا پیٹنا۔ دو مکانوں کے بیچ دیوار ہی تو ہے، چُپ چاپ ہٹالی جائے گی۔ عید آئی اور چلی گئی، دیوار وہیں کی وہیں رہی۔ اگلے دِن بیٹی سجی سنوری، اور عید کا وہی دلھن جیسا جوڑا پہن کر سہیلی کی سال گرہ کے لیے نکل گئی۔ دو گھنٹے بعد دروازہ کھلا۔ اُس کی امّی کے ہم راہ میری بیٹی اندر داخل ہوئی، اور میں جل بھُن کر کباب اِس لیے ہو گئی کہ ایک ماں ہونے کے ناتے کیا مجھ سے اجازت لینا بھی ضروری نہ تھا۔

''بیٹی، سلام کرو امّی کو ....!'' ماں نے میری بیٹی سے کہا۔

''کیسی امّی، کیا ماں سے مشورہ بھی ضروری نہ تھا، غریب تھی، پر اتنی نہیں کہ ایک جوڑا نہ دے سکتی۔'' بیٹی کے سلام کرنے سے پہلے ہی غبارے کی مانند پھٹ پڑی میں۔

''اُوئی دُلھن، تم تھیں بھی کب یہاں....؟ تم تو اب آئی ہو، شادی تو تین ماہ پہلے ہوئی تھی۔ اِن کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا، وہیں تو تھیں یہ، رات ہی تو اِن کے ابو لے کر آئے ہیں۔'' اُس کی ماں نے بتایا، اور میں سمندری طوفان کی تہہ میں جا لگی۔

''فریدہ آباد کی ہو بیٹی ....؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں امّی۔''

''میں ہوں نہ ماں تیری۔''

اُس نے سلام کیا، اور میں نے اُس کو چھاتی سے لگا کر پھول کا قرض ادا کر دِیا۔

☆☆☆

4,PrncepStreet.2ndFloor
Kolkata-700072(W.B)


## ایک قطعہ

اردو ہے جس کا نام ہماری زبان ہے
کیا خوب آن بان ہے' کیا خوب شان ہے
مقبولِ عام یوں تو ہے سارے جہان میں
سچ پوچھیے تو عظمتِ ہندوستان ہے

☆ ☆ ☆

مطیع اللہ نازش
DarusSalamD/23
CDA,Sector-6.Cuttack-7530104
(Odisha)

## لمحۂ فکریہ

ہندو مسلم کی منافرت وطن کو لے ڈوبی
باقی جو بچا اسے مہنگائی لے ڈوبی
عاشقوں کو محبوب کی بے وفائی لے ڈوبی
بیمار والدین کو اولاد کی بے حسی لے ڈوبی
لیڈر تمام آپسی رسہ کشی میں مست
کمزور اور غریب کا پرساں نہیں کوئی
اور حکمراں جو ملک کا عفریت بن گیا
وہ خونی کھیل کرنے لگا آج کل بہت
ہر سمت دریا خون کا ہونے لگا رواں
لنکا میں تمل، ہندو بھی ہیں دست و گریباں
مندر و مسجد کا یہ جھگڑا ابھی ہے جاری
جنتا بھی غریب نانِ شبینہ سے ہے عاری
بے روزگار نوجواں ہیں کتنے پریشاں
دنگوں کا سلسلہ بھی تو چلتا ہے اب یہاں
مارا گیا محبوب کسی کا تو اجڑا سہاگ بھی
ان بیوہ عورتوں کی کہانی سنے گا کون
پھر ان یتیم بچوں کی یہ آہ و زاریاں
دہلانے لگیں لوگوں کے حساس دلوں کو
کیا چاہتے ہیں؟
دیش کے اربابِ حل و عقد
ترقی یا تنزلی کچھ تو بتائیے
اور جنتا ہے کہ متوحش نگاہوں سے
دیکھ رہی ہے
انساں کی شکل میں جو درندے ہیں ہر طرف
اور انسانیت کی چیخ سدا گونج رہی ہے
انجام اس کا کیا ہو پتہ کچھ نہیں ہمیں
اک لمحۂ فکریہ کا جو درپیش ہے ہمیں

☆☆☆

عبدالسلام کوثر
Junihatri.RajnandGaon-491441
(C.G)Mob-9300212960

## ایک غزل

پریشانی کے عالم میں جو میرے کام آئی تھی
وہ اک کچی عمارت تھی، بزرگوں کی کمائی تھی
ہماری مفلسی پر طنز کے پتھر نہ برساؤ
ہماری بھی کبھی آسودگی سے آشنائی تھی
اب اس کا گھر محبت کی بہاروں کو ترستا ہے
وہ جس نے آگ نفرت کی میرے گھر میں لگائی تھی
وہ رونق آج بھی میرے تخیل میں درخشاں ہے
جو رونق آپ کے آنے سے میرے گھر میں آئی تھی
میں ہندوستان آ پہنچا وطن کی چاہ میں لیکن
میں اس نفرت کا کیا کرتا جو میرے ساتھ آئی تھی
بزرگوں کی غریبی میں بھی تھی ایمان کی خوشبو
غضب کا صبر تھا ان کا، غضب کی پارسائی تھی
مہک اٹھتی تھی ساری انجمن غزلوں کے پھولوں سے
جنابِ میرؔ کے انداز کی بھی کیا رسائی تھی
غزل کے شعر کہتے تھے کہ جوئے شیر لاتے تھے
یہ سودا تھا کہ غالبؔ کے جنوں کی روشنائی تھی
خودی کا صور پھونکا اور کیا بیدار ملت کو
بلندی فکر کی اقبالؔ کے حصے میں آئی تھی
سبھوں نے دل کی گہرائی سے کی میری پذیرائی
غزل جو میں نے کوثرؔ ان کی محفل میں سنائی تھی

ڈاکٹر قمر الزماں
Junihatri
SBI, MTPS.DVC Colony
Bankura-722183(W.B)

## متوالا

دعوت نہیں ہے پھر بھی جاتا ہے بے تحاشا
کھاتا ہے جب وہ مرغا کھاتا ہے بے تحاشا
ملتا ہے خوش دلی سے کرتا ہے او ہوئ ہائے
موقع نہیں ہو اس کا ہنستا ہے بے تحاشا
کوئی نہ ساز رکھتا، چٹکی سے تال دیتا
گانا جو گانے لگتا گاتا ہے بے تحاشا
اٹا غفیل، غافل لگتا ہے یوں تو بالکل
بکنے جو لگتا ہے تو بکتا ہے بے تحاشا
زلفوں کو نوچتا ہے، داڑھی اکھاڑتا ہے
رونے پہ جب وہ آتا روتا ہے بے تحاشا
احباب جانگلو کی بے جا نہیں شکایت
لکھتا جو ہے زماںؔ تب لکھتا ہے بے تحاشا

افسانہ

**اقبال احمد نذیر**
KSA-Glaxy1003.10th Floor
3rd,SankliStreet.Near EWardOffice
Byculla,Mumbai-400008
M-No-9322541959

# چور چور موسیرے بھائی

شبراتن کے میکے سے صبح صبح شبراتن کا بھائی بقریدی آیا اور دونوں بھائی بہن میں کچھ کھسر پھسر ہوئی۔

اور پھر شبراتن بڑی عجلت میں بھائی کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی۔ ابھی رات باقی تھی، پاس پڑوس کے لوگ سو رہے تھے' گھر کے برآمدے میں کھاٹ پر جمّن چاچا بھی محوخواب تھے۔ چچی شبراتن نے چاچا کو جگانا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے بھائی بقریدی کے ساتھ ٹانگے میں بیٹھ کر میکے پہنچ گئیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ شبراتن کے بھائی بقریدی کی بیوی امید سے تھی اور کسی بھی وقت اس کی فیملی میں ایک فرد کا اضافہ ہونے والا تھا۔

جمن چاچا نیند سے بیدار ہوئے تو انھیں پتہ چلا کہ شبراتن اپنے بھائی بقریدی کی بیوی نصیبن کی زچگی (Delivery) کے لئے میکے گئی ہے۔ یہ خبر خبر نہیں تھی بلکہ جمن چاچا کے لئے آزادی کا پروانہ تھی۔ جب تک شبراتن نہیں آتی جمن چاچا آزاد پنچھی کی طرح اس ڈال سے اس ڈال پر پھدکتے پھریں گے۔ ''چار رات کی چاندنی پھر وہی اماوس''۔

تیسرے دن گھر کی چوکھٹ پر ٹانگے کے رکنے کی آواز سن کر جمن چاچا نے کواڑ کے بھیتر سے دیکھا کہ چچی شبراتن نے ٹانگے والے کو کرایہ دیا اور ساتھ ہی بخشش بھی دی۔ لگتا ہے چچی شبراتن کا موڈ بہت اچھا ہے۔ اس نے گھر کے چھوٹے موٹے کام نپٹا کر گھر کے آنگن میں مرغی کے ڈربے کو کھولا تا کہ مرغیوں کو دانہ پانی دے۔ مگر........ یہ کیا........ ایک مرغی کم ہے۔ اب کیا تھا شبراتن کا ماتھا گھوم گیا۔

سنتے ہو، تم گھر میں تھے یا پھر اس کنجڑی کے ساتھ نین مٹکا کر رہے تھے........ ارے کیا ہوا؟ کیوں بے سرا الاپ رہی ہو؟

ہاں ہاں اب میری آواز بے سری ہوگئی ہے۔ دیکھو جی، صحیح صحیح بتادو کہ مرغی کہاں گئی کس کی پیٹ پوجا کی نذر ہوگئی۔

ارے شبراتن اتنے دن ہوگئے مگر آج تک شک کرنے کی تیری عادت نہیں گئی۔ شبراتن نے کہا اور جائے گی بھی نہیں کیوں کہ ایک جھوٹے کے کھونٹے سے بندھی ہوئی ہوں۔ اگر کھانا تھا تو اس مرغے کو ہی حلال کرتے جو وقت بے وقت اذان دینے لگتا ہے مگر نماز ایک وقت کی بھی نہیں پڑھتا۔ شبراتن نے اگلا پچھلا سارا گلہ شکوہ پرت در پرت ادھیڑنا شروع کردیا۔ جمن چاچا نے کہا ایک مرغی کیا چوری ہوئی، تہمت کی بارات باجے گاجے سے نکال دی۔

چل بہت ہوگیا، جیتنے کو دمڑی نہیں اس سے زیادہ عزت کا جنازہ نکل گیا۔

جمن گھر میں ہی تھے تو پھر مرغی کہاں گئی، یہ تو وہی بات ہوئی کہ آنکھ سے کاجل چرانا۔

کس کی ماں نے کتنا اور کیسا دودھ پلایا کہ شبراتن کی مرغی ہضم کرلی۔ چچی شبراتن چاروں طرف اور گھر گھر میں ہر ایک کو ٹٹول لیا مگر مرغی کا سراغ نہیں ملا، بس لے دے کے ایک نروارہ گیا جس سے پوچھنا باقی تھا۔

پوچھنے پر اس نے کہا! چاچی کیا بات کرتی ہو، جس وقت تمہاری مرغی چوری ہوئی میں یہاں گاؤں میں تھا ہی نہیں میں تو حکیم شرافت علی کے کام سے شہر گیا تھا۔ اور اس بات کی تصدیق حکیم شرافت علی نے بھی کی۔

وقت ایک ایسا مرہم ہے جو بڑے سے بڑے زخم کو بھر دیتا ہے اور ہوا بھی ایسا، جلد ہی اس مرغی چوری کے قصے کو گاؤں والے بھول گئے۔

وقت گزرتا گیا ایک دن جمن چاچا نے پنچایت بٹھالی۔ پوچھا گیا: ہاں تو جمن کیا بات ہوئی جو پنچن کو تکلیف دی۔

جمن نے کہا، پنچن تو میرے مائی باپ ہیں، میں اپنے بزرگوں کو کیسے تکلیف دے سکتا ہوں۔ ایک بزرگ نے کہا، دیکھ جمن بات کو کسی اور طرف مت گھما اور اصل مدعا پر آ؟ آخر بات کیا ہے جو ہم لوگوں کو اکٹھا کیا ہے؟

سرپنچ جی! بات تو کوئی ایسی نہیں ہے۔ وہ تو گھر والی شبراتن نے بہت دباؤ ڈالا تو آپ لوگوں کو تکلیف دینی پڑی۔

دیکھ جمن بہت سوچ سمجھ کر بولنا، ابھی گزشتہ دنوں تیرے آنگن سے تیری مرغی چوری ہوئی پر تو نے کچھ نہیں بولا مگر تیری گھر والی نے ایسے ایسے جملے کہے کہ قبر میں چور تو چور ڈاکو بھی کروٹ لینے لگے۔ دس پندرہ روپے کی مرغی نہ ہوئی لگتا ہے دس ہزار کا بکرا چوری ہوگیا۔

مگر مائی باپ یہ جمن کے ساتھ ہی ایسا کیوں؟

تو اب کیا ہوا جو پنچایت بلالی؟

دیکھئے سرپنچ جی!، میری گھر والی کی بدّھی کچھ زیادہ ہے میں تو کہتا رہا کہ ایک انڈے کی بات ہے اس کے لئے گاؤں کے بزرگوں کو تکلیف دینی ٹھیک نہیں مگر وہ اپنی بات پر اڑی رہی کہ گاؤں کے بزرگوں کو بتا دینا ضروری ہے۔ کل مرغی چوری ہوئی آج مرغی کا انڈا چوری ہوا۔ ہم اگر چپ بیٹھ گئے تو چور کی حوصلہ افزائی ہوگی اس لئے پنچایت کے علم میں یہ بات لانا ضروری ہے۔

جمن تیری مرغی کا انڈا چوری ہوا، کس نے چرایا، کوئی چشم دید گواہ بھی ہے کہ نہیں۔ شک کی بنا پر نرواہ کا نام آ گیا۔ مگر نرواہ بار بار اس انڈے کی چوری سے انکار کرتا رہا۔ آخر تھک ہار کر سرپنچ نے نرواہ سے کہا۔ دیکھ نرواہ سب کا شک تجھ پر ہے اور تو ہے کہ اپنا گناہ قبول کرنے سے انکار کر رہا ہے۔

سرپنچ جی اس گناہ کو میں کیوں قبول کرلوں جو میں نے کیا ہی نہیں۔

سرپنچ اغل بغل دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگے دیکھ نرواہ بہت ہو گیا، اب تو ہی بتا اس جھنجھٹ سے کیسے نپٹا جائے۔

میں کیا بتاؤں سرپنچ جی آپ تو ہمارے مائی باپ ہیں جو بھی فیصلہ کریں گے وہ میں قبول کرلوں گا۔ مگر اب بھی میں اس انڈے کی چوری سے انکار کرتا ہوں۔

تو تو انکار کرتا رہے گا...... پھر فیصلہ کیسے ہو۔ سرپنچ نے رک کر نرواہ سے کہا۔ دیکھ پنچایت نے فیصلہ کیا ہے کہ ایک انڈے کی جو بھی قیمت ہو جمن کو دے کر قصہ ختم کر۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے چوری کی ہے جب ہی تو انڈے کی قیمت ادا کروں گا۔

چل اب تمام باتوں پر مٹی ڈال اور آئندہ کے لئے ایسا کوئی کام نہیں کرے گا جس میں تیرا نام آئے۔

اس دن نرواہ کی بہت بے عزتی ہوئی، وہ اپنی صفائی میں بار بار کہے جا رہا تھا کہ یہ انڈا میں نے نہیں چرایا ہے۔ مگر اس کی بے گناہی کا کوئی ثبوت نہیں تھا پنچایت نے نرواہ کو ملزم سے مجرم بنا دیا اور انڈا چور ٹھہرا دیا۔

دو دن بعد ہی اچانک مرغی چوری کا معمہ حل ہوتا نظر آیا۔

خدا کی شانِ بے نیازی ہے کہ اسے معمہ حل کروانا تھا۔ اللہ جل شانہٗ کو جو بھی کرنا ہوتا ہے صرف کن کہہ دینا ہی کافی ہے اور وہ کام خود بخود ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی شبراتن کی پریشانی اور معصومیت اللہ تعالیٰ سے دیکھی نہ گئی اور مرغی چوری کا راز فاش کر دیا۔ چچا جمن کا بھتیجہ جمن چچا کا شکریہ ادا کرنے آ دھمکا۔

بھولا کو دیکھ کر چچی شبراتن نے مسکراتے ہوئے کہا، بہت دنوں بعد چاچا چاچی کی یاد آئی، کیسے آنا ہوا؟

یاد کیسے نہ آتی چاچی میں تو چاچا کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ اس دن تو جلدی جلدی مچی تھی۔ ٹھیک ڈھنگ سے ان کا شکریہ بھی ادا نہ کر سکا۔ چچی شبراتن مسکرائی مگر اس بار ان کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔ بولی، بھولا پتہ تو چلے کہ کس بات کا شکریہ ادا کیا جا رہا ہے۔

بھولا کہنے لگا، کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے آپ اپنی اماں کے یہاں گئی تھیں۔ اس دن چچا نے ایک مرغی ذبح کیا اور باسمتی چاول کا پلاؤ بنا کر میری دعوت کی تھی۔ اسی دعوت کا شکریہ کہنے آیا ہوں۔ چچی! جمن چاچا بہت اچھا پلاؤ بنائے تھے ان سے کہیں کہ ایک بار پھر ویسا ہی مرغی پلاؤ بنائیں۔

اتنا سننا تھا کہ جمن چاچا کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

بیٹا بھولا! مرغی پلاؤ بنانے ضرور بولوں گی مگر پہلے تیرے چاچا کو مرغا بنانا ضروری ہے۔

دیکھ شبراتن زیادہ مت پھیل، بہت چخ چخ ہوگئی۔ مرغی کھائی ہے وہ بھی اپنی مرغی...............

جاؤ جی جاؤ.........شبراتن اینٹھتے ہوئی بولی، مرغی کھانی تھی تو اس مرغے کو حلال کرتے جو وقت بے وقت اذان دینے لگتا ہے مگر نماز ایک وقت نہیں پڑھتا۔ اور پھر تمہیں دعوت کھلانے کا اتنا شوق تھا تو ایک کی بجائے دو مرغے کا پلاؤ بنانا تھا "نظر ہٹی درگھٹنا گھٹی"۔ گھر میں شبراتن نہیں ہے تو چلو من مانی کرتے ہیں اور پھر دعوت کھلانے کا تھا تو تمہیں بھولا ہی دکھائی دیا، کیا میرے میکے میں کسی پر نظر نہیں پڑی۔ وہ تو چھوڑو مجھے تک بھول گئے۔ جب تب سسرال میں دعوت اڑاتے رہتے ہو۔ ایک دن ان لوگوں کی بھی ضیافت کر دی جائے، مگر ڈر تھا کہیں شبراتن کو معلوم ہو گیا تو بہت بوما بوم ہوگی۔

بول لے، جتنا بولنا ہے بول لے مگر یاد رکھ میں جب بولنے پر آؤں گا تو تیری سات پشتوں تک کو سناؤں گا۔

میری غیر موجودگی میں چوری سے مرغی پلاؤ اڑائی گئی ذرا سوچو کون سی مرغی ذبح کرنی تھی اور کون سی مرغی ذبح کر دی۔

مرغی تو مرغی ہے اس میں اتنا کیا سوچنا؟

واقعی تم مورکھ کے مورکھ رہے، جو مرغی روزانہ انڈے دیتی تھی اسے ہی چھری تلے دے ڈالا اور پھر تمہیں پتہ ہونا چاہئے کہ دیسی انڈا اور برائیلر انڈے کی قیمت میں ڈبل کا فرق رہتا ہے۔ مگر تمہیں کیا چوری سے پیٹ بھرو اور دوسروں کا بھی بھرو۔ آخر تمہیں بھولا ہی کیوں ملا، اگر شام تک انتظار کر لیتے کہ شبراتن بھی ہے۔ مگر تمہیں تو حاتم طائی بننا تھا۔

بس.....بس اب چپ ہو جا، بہت بک بک کر لی۔ سالی مرغی نہ ہوئی مہارانی ہوگئی۔ جب تک چاروں دشاؤں سے ہاہا کار کی آواز سنائی نہ دے تیرے کلیجے کو ٹھنڈک نہیں ملے گی۔ اور مجھے مرغی چور ٹھہرا کر ہی دم لینا۔ سالی سارے موڈ کی واٹ لگا دی۔ ادھر نرواہ اپنی منڈلی میں بیٹھا اپنی ہی گا بجا رہا۔ خود پاپ کرو نام ہو نرواہ کا بدنام۔ سب ایک ہی تھیلے کے چٹّے بٹّے ہیں "چور چور موسیرے بھائی۔

☆☆☆

ڈاکٹر یاسمین اختر
C/O:Md.FakhreAlam
TankLane.Bhikanpur(Hatia)
Bhagalpur-812001(bihar)

# صِلہ

سلطان احمد خاں صبح دس بجنے سے پہلے ہی گھر سے باہر نکل گئے۔ وہ روزانہ ساڑھے دس بجے دفتر جاتے تھے۔لیکن اُس روز دفتر میں کچھ ضروری فائل پر نظر ڈالنی تھی۔ انہیں بارہ بجے ایک میٹنگ بھی اٹینڈ کرنی تھی اس لئے وہ وقت سے قبل ہی دفتر چلے گئے تھے۔ابھی تھوڑی دُور ہی گئے ہوں گے کہ اُن کی گاڑی خراب ہوگئی۔اُنہوں نے اپنا دفتری بیگ لیااور گاڑی سے نیچے اُتر گئے۔دُور سے آتا ہواایک آٹو رکشادکھائی دیا۔اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ ہلا کر گاڑی کو روکنے کااشارہ کرتے،آٹو والے نے خود ہی اپنی گاڑی روک دی۔وہ آٹو میں بیٹھ گئے۔آٹو والا دوسری سواری لینا چاہ رہا تھا،لیکن اُنہوں نے منع کر دیا۔کہنے لگے......

”میں ذرا جلدی میں ہوں، مجھے دفتر تک چھوڑ دو، پھر سواری لے لینا۔“ان کی آواز میں خوشامد بھی تھی اور اِلتجا بھی۔آٹو والا انکار نہیں کر سکا۔چُپ چاپ اپنی گاڑی آگے بڑھادی۔کچھ دُور جانے کے بعد ٹریفک کی رُکاوٹ سامنے آئی۔سڑک پر لگی موٹر گاڑیاں،بسیں،آٹو رکشے اور رکشوں کی لمبی قطاریں تھیں۔سلطان احمد خاں کبھی باہر کی طرف دیکھتے تو کبھی کلائی پر بندھی ہوئی اپنی گھڑی کی طرف......آدھا گھنٹہ یونہی نکل گیا۔پھر دوسری گاڑیوں کے ساتھ ساتھ ان کا رِکشا بھی دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگالیکن زیادہ دُور نہیں جاسکا کیونکہ سڑک پر ایک ٹرک اُلٹ گیا تھا جس کی وجہ سے ڈھیر ساری گاڑیاں جمع ہوگئی تھیں۔کچھ لوگوں نے اپنی گاڑی دوسری جانب بڑھادی۔کچھ لوگ گاڑیوں سے نیچے اُتر کر پیدل ہی چل پڑے تھے۔اُنہوں نے اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر آٹو والے کے حوالے کیااور آٹو سے نیچے اُتر کر تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئے۔آٹو والا جیب میں روپے رکھ کر اسی جانب بڑھ گیا جس طرف سے وہ آرہا تھا۔آٹو اسٹینڈ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی نظر آٹو کے اندر پیچھے چلی گئی۔ پیچھے کی سیٹ پر ایک دفتری بیگ رکھا ہوا تھا۔اس نے اچنبھے پن سے بیگ کی طرف دیکھا اور خود ہی بولا......”مہاشئے اپنا بیگ بھول گئے۔وہ جلدی میں تھے اس لئے بھول گئے ہوں گے۔مجھے ان کا بیگ لوٹا دینا چاہئے، پر میں انہیں دوں تو کیسے دوں۔وہ کون تھے؟ان کا کیا نام تھا؟ کہاں جانا تھا؟ مجھے تو اِس بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہے۔ بیگ کھول کر دیکھتا ہوں،شائد کوئی سراغ مِل جائے۔“اس نے ایک نوکیلی تار گھما کر بیگ کھولا اور اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔بیگ میں ایک Laptop،A.T.M.Card،ایک قیمتی موبائل فون اور چند کاغذات کے ساتھ ساتھ ایک فائل بھی تھی۔فائل کے اوپری حصّے پر اُن کا نام،ان کے دفتر کا نام،موبائل نمبر اور گھر کا ایڈریس لکھا ہوا تھا۔آٹو والے کا موبائل کام نہیں کر رہا تھا۔اگر موبائل کام کرتا تو شائد دفتر جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔اِدھر سلطان احمد خاں کو اسی فائل کی ضرورت پڑ گئی جو وہ آٹو رکشا میں بھول آئے تھے۔اُنہوں نے عادتاً اپنا ہاتھ اُس طرف بڑھا دیا جہاں وہ بیگ رکھتے تھے۔بیگ وہاں موجود نہیں تھا۔وہ یکا یک اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔پورے کمرے کا جائزہ لیااور کرسی پر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔بیگ تو میں گھر سے لے کر نکلا تھا،کہیں اپنی گاڑی میں تو نہیں بھول گیا۔نہیں گاڑی کے اندر نہیں، جب میں آٹو میں بیٹھا تھا تو بیگ میرے ہاتھ میں ہی تھا،لیکن آٹو سے نیچے اُترا تو......اِس کا مطلب یہ ہے کہ بیگ میں نے آٹو ہی میں چھوڑ دیا۔یہ......یہ تو بہت بُرا ہوا۔آٹو والا A.T.M.Card کے ذریعے اب تک لاکھوں روپے نکال کر فرار ہوگیا ہوگا۔میرا دماغ کام نہیں کر رہا ہے۔کیا کروں؟ سب سے پہلے مجھے بینک میں فون کرنا چاہئے۔لیکن بینک کا نمبر......نمبر تو مجھے یاد نہیں ہے۔اگر کسی سے بینک کا نمبر پوچھوں گا تو سب کو پتہ چل جائے گا کہ میری فائل گُم ہوگئی ہے۔ پھر میں کیا کروں؟ مجھے خود ہی بینک جانا چاہئے۔لیکن میں جاؤں تو کیسے جاؤں؟ میری ہمت تو جواب دے چکی ہے۔اور وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر بیٹھ گئے۔اضمحلال کی کیفیت ان کے دل و دماغ میں طاری ہوگئی تھی۔سلطان احمد بُری طرح ہانپ رہے تھے۔گھبراہٹ کے مارے ان کا گلا بھی سوکھ رہا تھا۔میز پر پانی کا بوتل اور گلاس بھی رکھا ہوا تھا۔اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ گلاس میں پانی اُنڈیل کر حلق کی خشکی دور کریں۔دماغ میں اِس قدر پریشانی تھی جیسے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔اُنہوں نے خود کو قابو میں رکھنے کے لئے اپنے دماغ سے ساری باتیں نکالنے کی کوشش کی،لیکن بات ایسی نہیں تھی کہ نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔آنے والی مصیبتوں کی تصویریں بار بار اُن کی آنکھوں کے سامنے اُبھر رہی تھیں اور وہ اپنے آپ میں غلطان و پیچاں بری طرح ہانپ رہے تھے کہ گارڈ نے آکر کہا:

”سر......آپ سے کوئی ملنے کے لئے آیا ہے۔“اُنہوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا صرف ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

”میں تو بہت دیر سے روک رہا ہوں سر، پر وہ مانتا ہی نہیں۔کہہ رہا ہے کہ صاحب سے جا کر کہو کہ آٹو والا آیا ہے......!“

”آٹو والا ......؟“ان کے منہ سے حیرت انگیز آواز نکلی اور سلطان احمد خاں یکا یک اپنی جگہ سے اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

”اس کو فوراً اندر بھیج دو......“ گارڈ باہر چلا گیا۔آٹو والا کیبن نما چیمبر کے اندر داخل ہوا۔

”سر! آپ کا بیگ......“ اس نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا اور بیگ کو آگے بڑھادیا۔”اِس طرح کیا دیکھ رہے ہیں سر؟ آ......آپ شاید یہ سوچ رہے ہیں کہ میں یہاں آیا

تو کیسے آیا؟ معاف کیجئے گا سر...... مجھے آپ کا ایڈریس معلوم نہیں تھا۔ اگر معلوم ہوتا تو بیگ کھولنے کی جرأت نہیں کرتا۔"

"جانتے بھی ہو اِس میں کون کون سی چیزیں ہیں۔" سلطان احمد کی پریشانی دھیرے دھیرے غائب ہو رہی تھی۔

"جانتا ہوں سر......! اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ آپ شاید ATM کارڈ کی بات کر رہے ہیں۔ میں چاہتا تو دو چار لاکھ روپے نکال سکتا تھا۔ پر میں نے ایسا نہیں کیا۔ دوسروں کی کمائی پر عیش کرنے والا انسان نہیں ہوں میں......!
اپنی محنت سے دو وقت کی روٹیوں کا انتظام کر لیتا ہوں اور عزت کی زندگی گزارتا ہوں۔ نہیں، عزت کی زندگی نہیں، چین کی زندگی گزارتا ہوں۔ آج کے دَور میں عزت والا وہ ہوتا ہے جس کے پاس دولت ہو۔ ہم لوگ تو محنت اور ایمانداری پر یقین رکھتے ہیں۔ پتہ نہیں لوگ محنت کرنے سے دُور کیوں بھاگتے ہیں؟ محنت تو وہ بھی کرتا ہے جس نے ہمیں پیدا کیا۔ کسی کو مارتا ہے، کسی کو جِلاتا ہے، کسی کو روزی دیتا ہے، کسی کو دولت، کہیں سیلاب لاتا ہے، کہیں اکال، کہیں زلزلہ تو کہیں طوفان۔ خیر چھوڑیئے اِن باتوں کو...... میں بھی کہاں سے کہاں چلا گیا۔ چلتا ہوں ......سر! میں چاہتا ہوں کہ میرے جانے سے پہلے آپ اپنا دفتری بیگ کھول کر دیکھ لیں۔"

"تمہارا بیگ لے کر یہاں آنا ہی اِس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ سب کچھ صحیح و سلامت ہے۔"

"شکریہ سر......! قسمت اچھی تھی ہماری جو میں نے کوئی سواری نہیں لی۔ سواری لے لیتا تو آپ کا یہ بیگ شاید ہاتھ سے نکل جاتا اور مجھ پر چوری کا الزام لگ جاتا۔

"قسمت تو میری اچھی ہے جو یہ دفتری بیگ تمہارے ہاتھ لگ گیا۔" اُنہوں نے دل ہی دل میں کہا پھر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے------

"کیا نام ہے، تمہارا......؟"

"وجئے سر...... میرا نام وجئے ہے۔ اس نے نیلے رنگ کا شرٹ اور بلو جینس پینٹ پہن رکھا تھا۔ شرٹ کی جیب میں ایک موبائل فون اور پتلون کی جیب میں ایک چھوٹا سا پرس تھا۔ اس کے خدوخال سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کہیں سروس کرتا ہو۔

"کہاں رہتے ہو، تم؟" اُنہوں نے پھر سوال کیا۔

"بس اسٹینڈ کے پیچھے ایک چھوٹا سا محلّہ ہے، میں وہیں رہتا ہوں......"

"تم نے کچھ پڑھائی لکھائی بھی کی ہے یا پھر یونہی......"

"جی سر......! میں نے بی.اے. تک پڑھا ہے۔ نوکری کے لالچ میں کمپیوٹر کورس بھی مکمل کیا ہے پر کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔" اس کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ "سرکاری، غیر سرکاری سروس کے لئے ہر جگہ کوشش بھی کی، لیکن کہیں بھی بات نہیں بنی۔ آخر میں، میں نے ایک پرائیویٹ اسکول جوائن کر لیا۔ ہر ماہ تین ہزار روپے تنخواہ پاتا ہوں۔ اب آپ ہی بتایئے سر......! اِس مہنگائی کے زمانے میں تین ہزار روپے میں کیا ہوگا؟ اپنی ایک چھوٹی سی فیملی ہے۔ بیوی، دو چھوٹے چھوٹے بچے، ماں، ایک بہن اور ایک چھوٹا بھائی بھی ہے، میرے پتا جی اب اِس دُنیا میں نہیں رہے۔ وہ ہوتے تو...... وجئے جملے کو ادھورا ہی چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے گھر کے بوجھ سے سر جھک گیا ہو یا پھر آگے کچھ کہتے ہوئے اس کو شرم آ رہی ہو۔ چند پَل گزر جانے کے بعد کہنے لگا------

"صبح سے دوپہر تک اسکول میں اپنی ڈیوٹی دیتا ہوں اور شام سے رات گئے تک آٹو چلاتا ہوں۔ آج اسکول بند ہے۔ سوچا دن میں ہی گاڑی نکال لوں، رات میں آرام کروں گا۔"

"تم آج رات ہی میں نہیں، ہر روز رات میں آرام کرو گے......!" سلطان احمد خاں نے معنی خیز انداز میں کہا، پھر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگے :

"تم آج سے ہمارے .P.A ہو۔"

وجئے اپنا منہ کھولے کھڑا تھا اور اُس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"کیا ہوا...... کیا سوچ رہے ہو، تم؟ تمہیں میرا .P.A بننا پسند نہیں۔ تم چاہو تو انکار بھی کر سکتے ہو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں سر آپ......! اتنا اچھا چانس ملا ہے اور میں انکار کردوں۔ میں...... میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں۔"

"اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ شکریہ اس کا ادا کیا جاتا ہے جو کسی پر کوئی احسان کرتا ہے۔ میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا ہے۔ یہ تمہاری ایمانداری کا صِلہ ہے۔ تم کو نوکری کی تلاش تھی اور مجھے تم جیسے ایماندار نوجوان کی۔! ☆☆☆


## ڈاکٹر نلنی وبھا نازلی

Retd.AssociateProf
At/P.O:Bhuta.Dist:Hamirpur-1
(H.P)Mob-9418304634


# ایک غزل

ابر کی اوٹ سے چھلکا ہے ادھر دھوپ کا رنگ
ہے سکوں بخش بہت وقتِ سحر دھوپ کا رنگ

وادیاں، جھیلیں ہوں، پربت ہوں کہ ہوں دشت و دمن
کتنے لگتے ہیں حسیں چمکے اگر دھوپ کا رنگ

انجمن شب کی اٹھی نورِ سحر آتے ہی
اوڑھنے لگ گئے گلشن میں شجر دھوپ کا رنگ

شب کی تاریکی میں سوئے تھے جو تھک کر طائر
تازہ دم ہو گئے جب آیا نظر دھوپ کا رنگ

وقت زنداں کے اندھیروں میں گزارا جس نے
اس کے حجرے میں کرے کاش گزر دھوپ کا رنگ

نازلیؔ پہن لیا دھرتی نے زردوز لباس
جب افق سے ہوا فردوسِ نظر دھوپ کا رنگ

افسانہ

اقبال سلیم
8thCross4th Main
JHBCSLayoutJPNagarPost
2ndStageBanglore-560111

# ہلمٹ کی واپسی

ناخدائے سخن ہد ہد بیابانی ابتدا ہی سے سنسنی خیز بلکہ دھماکہ خیز خبریں سنانے کے لئے مشہور یا بدنام ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی ہمارے کان کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ایک روز سرِ راہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ ہوش ربا خبر سنائی کہ ''بہت جلد ہی ہلمٹ واپس آرہی ہے''۔ ساجھے کی ہنڈیا والی کرناٹک کی زعفرانی سرکار بنگلور میں ہلمٹ کا قانون دوبارہ نافذ کرنے پر سنجیدگی سے غور کررہی ہے۔ تو ہم نے بظاہر بے نیازی سے جواب دیا ہلمٹ کا قانون تو آیا رام گیا رام بلکہ اس سے بھی زیادہ اس چاند کی طرح ہوگیا ہے جس کے بارے میں اقبال مرحوم نے نے کہا ہے۔

نکلا بھی گہن سے آیا بھی گہن میں

ہم نے کہنے کوتو کہہ دیا مگر دل ہی دل میں کہہ رہے تھے ''جل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو'' ہد ہد صاحب نے جب ہماری یہ شانِ بے نیازی دیکھی تو چبھتے ہوئے لہجے میں گویا دھمکی دی، میاں یہ بات گرہ میں باندھ رکھو کہ یہ آیا رام گیا رام اب آسانی سے ٹلنے والا نہیں ہے۔ یہ قانون اب اماوس کے اندھیرے کی طرح پوری ریاست کو ڈھک لے گا۔ سرکار اس بار اپنے موقف پر سنجیدگی سے اٹل ہے۔

ہم نے کہا حضور! اس سنجیدگی کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ وہ ہلمٹ ساز کمپنیوں سے اور بیچ کے آدمیوں سے ادھار کھائے بیٹھی ہے وگرنہ اس سلطانی جمہور کے زمانے میں ایسے نادر شاہی قانون بنانا اپنی قبر آپ کھودنے کے برابر ہے۔ ایسی مثالیں تو صرف اندرا جی کی ایمرجنسی میں نظر آئی تھیں۔ ویسے بھی شہرِ گلستاں بنگلور کے لوگ جو پھولوں میں بسر کرنے کے عادی ہیں اس آہنی ہانڈی کے بوجھ سے جو عموماً سخت جان فوجی استعمال کرتے ہیں نباہ نہیں کریں گے۔

بولے جانتا ہوں مگر وہ دن گئے جب خلیل خاں ملک میں امن کی فاختائیں اڑایا کرتے تھے۔ اب بنگلور تو آج کل ''جنگجور'' ہورہا ہے۔ لوگوں کے پھولوں میں بسر کرنے کی باتیں ''نقش ونگار ہائے طاقِ نسیاں ہوچکی ہیں''۔ بنگلور اب دہشت گردوں، لٹیروں، اور اغوا کاروں کی جنت بنا ہوا ہے۔ آبادی ہے کہ ٹڈی دل کی طرح شہر کو چاٹتی جارہی ہے۔ ہر منٹ پر ایک جرم، ہر گھنٹہ ایک حادثہ، ہر دن رات دو چار قتل اور ہر سال بدلتے ہوئے موسم کی طرح ایک نئی سرکار کا جنم۔ کسی کو گاڑی کے سہارے کام پر جانے کے لئے گھر سے نکلتا ہے تو سب سے پہلے اپنی ماں سے دودھ یا اپنی بیوی سے مہر بخشوانے یا سہاگ کا صدقہ اتروانے کے بعد ہلمٹ پہن کر اپنی گاڑی اسٹارٹ کرتا ہے کہ خدا جانے شام کو زندہ سلامت لوٹنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ مگر اس احتیاط کے باوجود ذرا سی بھول چوک کے طفیل کسی بس یا ٹرک کا پہیہ اس کے سر کو ہلمٹ سمیت روٹی کی طرح بیل کر رکھ دیتا ہے یہ نہیں دیکھتا اس کے اندر کس ماں کا لعل، کس بیٹی کا سہاگ اور کس بدنصیب باپ کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

ٹھیک ہے ہم نے تائید کی۔ یہ اللہ جل شانہٗ کی مصلحت بھی ہوسکتی ہے۔ اس طرح دنیا کی آبادی کا سنگین مسئلہ حل کرنا چاہتے ہوں جو خاندانی منصوبہ بندی کی ناکامی سے مایوس اور پریشان سرکار کو خوش کرنا چاہتے ہوں مگر سرکار کیوں الٹا منہ اس اسپتال کی سفارشات اور عدلیہ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم کرتے ہوئے عوام کو ہلمٹ پہنا کر اپنی ہی اسکیم کو تار چر کر رہی ہے؟ خیر اب جناب کے ارادے کیا ہیں؟

میں نے کہا جلد ہی میں بھی ہلمٹ خریدنے کی فکر میں ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس دن ہلمٹ کا قانون نافذ ہوگا، ہلمٹ عنقا نہیں تو مہنگی ضرور ہوجائے گی۔ مطلب یہ کہ جہاں پھول ہوں گے وہاں کانٹوں کا وجود یقینی ہے۔ ہمارے شہر میں پھول ہی نہیں کانٹوں کی شکل میں جوتے چور، ہلمٹ چور، پاکٹ مار، غزل چور، دل چرانے والے بقول غالب ایک ڈھونڈو ہزار ملتے ہیں۔

داد کے لہجے میں بولے بات تو تم نے باون تولے پاؤرتّی کی کہی......پھر وہ کچھ یاد کر کے سنجیدہ ہوکر بولے مگر میں سخت ششش وپنج میں ہوں۔ خبر ہے کہ بائیک سوار کے علاوہ پچھلی سیٹ کی سواریوں کے لئے بھی ہلمٹ لازمی ہوگی۔ تم میری مشکل سمجھتے ہوگے کہ میری دو عدد بیویاں اور چار عدد لڑکے ہیں۔ شریعت کے مطابق میں اس معاملے میں مساوات پر کاربند ہوں ورنہ ذرا سی کمی بیشی سے خانہ جنگی کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس حساب سے بچوں کو اسکول لے جانا اور لانا تو کوئی مسئلہ نہیں مسئلہ تو یہ ہے کہ اب اس قانون کے تحت ان سب سے کس طرح نپٹا جائے۔ اس کا واحد حل یہ ہوگا کہ ان سب کے لئے ایک ایک ہلمٹ الگ سے ضرور خریدی جائے۔ دیکھیں کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

یہ سن کر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ ''ایک نہ شد دو شد'' سر پیٹ کر کہا واقعی یہ ایک سنگین مسئلہ ہے۔ اگرچہ ہم تعدادِ ازواج کے سلسلے میں شریعت کا فائدہ اٹھانے میں آپ کی طرح خوش نصیب نہیں ہیں۔ ایک عدد بیوی اور دو عدد بچوں پر اکتفا ہونے کے باوجود یہ ہمارے لئے بھی ایک مسئلہ ہے۔ یعنی بیگم ہلمٹ پہن کر اسکوٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کو ہرگز راضی نہیں ہوں گی۔

بولے ......میاں اس بے چاری کا کوئی قصور نہیں، کچھ حیا اور وضع داری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ نیک بخت اس طرح اپنی ذات میں تماشا بن جائیں گی۔ خیر تم فکر مت کرو، قانون کو آنے دو پھر دیکھا جائے گا۔

ہم ان کو رخصت کر کے گھر پہنچے، بیگم باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ہم نے ایک کرسی پکڑ کر انہیں متوجہ کیا۔''بیگم سنبھل جاؤ آپ کی وہ بلائے جان اب بس چند دنوں میں آنے والی ہے۔

یہ سن کر پہلے تو وہ بھونچکی رہ گئیں پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر مجسم آتش فشاں بنی گویا ہوئیں ۔آنے دو کلموہی کو.......کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہاں اس مونڈی کاٹی کا پھولوں کے ہار سے سواگت ہوگا۔ضرور اس موئے ہدہد نے آپ کو بہکایا ہوگا۔

ہم نے سر پیٹ کر کہا ارے اللہ کی بندی! ہم سوت کی بات نہیں کر رہے ہیں بھلا ہماری ایسی قسمت کہاں، ہمیں تو یہ کہنا تھا کہ ہلمٹ واپس آ رہی ہے۔

جیسے آتش فشاں یکلخت ٹھنڈا پڑ گیا۔اطمنان کی سانس لے کر بولیں تو یہ بات ہے، بڑی اچھی خبر ہے۔اب تو سر محفوظ رہے گا، سر محفوظ رہے گا مطلب جان محفوظ رہے گی۔سرکار کو جو بھی اس کو سوجھتی ہے تو دور کی سوجھتی ہے۔وہ ہماری دشمن نہیں ہے۔ہم نے ٹوکا اللہ کی بندی، اللہ آپ پر رحم فرمائے پوری بات سنو۔اب کے ہلمٹ صرف سوار کیلئے ہی نہیں پچھلی سیٹ کے سوار کے لئے لازمی ہوگی۔اب آپ جانیں اور آپ کے فرشتے۔

یہ سن کر ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور آنکھیں تارا بن گئیں۔کمر پر دھرے دونوں ہاتھ ریل کے سگنل کی طرح نیچے گر گئے۔چند لمحے کھڑی سوچتی رہیں پھر مری ہوئی آواز میں بولیں ،تو کیا ہمیں بھی ہلمٹ پہننی ہوگی ؟.......نہیں صاحب! یہ ہم سے نہ ہوگا......کبھی نہ ہوگا۔ہلمٹ پہن کر بیٹھنے پر میں پیدل چلنے کو ترجیح دوں گی ........ ہاں ......غضب خدا کا، شہر میں نہ سہی مگر محلے میں تو زلزلے آجائیں گے ۔لوگ قیامت کو یاد کرنے لگیں گے اور کہیں گے''لو صاحب نوسو چوہے کھا کر بیگم صاحبہ جہاد کو چلی ہیں۔

ہم نے سر پیٹ کر کہا، حد ہوگئی خود غرضی کی......ابھی ابھی آپ ہلمٹ کو راہِ نجات بتا کر اس کی شان میں قصیدے پڑھ رہی تھیں جب اپنی باری آئی تو طوطے کی طرح دیدے پھیر لئے۔اور اس میں کیڑے نکالنے اور کوسنے لگیں۔

در پہ آنے کو کہا اور کہہ کے پھر گیا
جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بستر کھلا

خیر! یہ محض آپ کا خیالِ خام ہے۔ہلمٹ آپ تنہا نہیں پہنیں گی تمام خواتین بھی پہنی ہوں گی۔اب لوگ جہاد کہتے ہیں تو کہنے دو۔ہلمٹ پہن کر آپ کو بازار تک جانے میں ہول آتا ہے۔ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ ملکہ نور جہاں اور رضیہ سلطانہ جیسی تاریخ ساز خواتین ''خود'' کی شکل کی ہلمٹ پہن کر میدانِ کارزار میں کود پڑیں تو کسی نے ان پر انگلی اٹھائی ہو تو ہم بھی سنیں؟

بولیں! کچھ بھی ہو ہم سے یہ نہ ہوگا۔اللہ میاں......مجھے موت دیدو یا اس عذاب سے بچاؤ۔

ہم نے ٹوکا کہ جب بات حق ہے تو خدا کو کیا پڑی ہے کہ اس میں دخل دے۔ابھی ابھی آپ کہہ رہی تھیں کہ''یہ ہم سب کے سر کی حفاظت کا سامان ہے۔ علاوہ ازیں اس ہلمٹ کے کئی چھوٹے بڑے فائدے اور بھی ہیں۔یہ دھوپ و بارش اور فضائی آلودگی سے بچاتی ہے۔اور اکثر رات کو دیر سے گھر لوٹنے والے مجبور اور بے گناہ شوہروں کو بھی شکّی بیویوں کے بیلن اور جھاڑو کے ممکنہ حملوں کے مقابل ڈھال بن جاتی ہے۔اور جہاں تک نظرِ بد کا تعلق ہے سب سے زیادہ فائدہ آپ ہی کو ہوگا بجائے اس کے کہ وہ اپنی تعریف پر اکڑتیں یا شرما جاتیں، گرم ہو کر کوئی بم داغنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ ہم نے ان کے تیور پہچان کر بات بنائی''مزید برآں ہلمٹ ہماری عزت مآب شبانہ اعظمی کے تجویز کردہ حجاب کا ایک حصہ ہے۔برقعہ اور پردہ کو بنیاد پرستی کی علامت بتا کر انہوں نے اس کے خلاف توپ کا دہانہ کھول دیا ہے۔

تڑ سے بولیں....وہ اپنی توپ کا دہانہ کھولیں تو ہم بھی اپنی شرعی توپ کو سرد خانے میں پڑا رہنے نہیں دیں گے۔

ہم نے ٹالنے کی غرض سے کہا، خیر چھوڑ یئے'ہلمٹ کا قانون ابھی آیا کہاں ہے۔جب آئے گا تو صرف آپ ہی نہیں ہم بھی اپنی توپوں کا رخ اس سبز اور زعفرانی ساجھے کی ہنڈیا والی سرکار کی طرف موڑ دیں گے۔بیگم ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولیں۔

پہنے ہلمٹ پھرے ہے غالب
اک تماشا ہوا گلہ نہ ہوا

اور باورچی خانے کی طرف مڑ گئیں۔پندرہ دن بعد پھر ہدہد صاحب سے ملاقات ہوئی تو چھوٹتے ہی بولے

''رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو''

میاں ہماری تو بسم اللہ ہی غلط ہوگئی۔تمہارا سنایا ہوا شعر یاد نہ رہا اور چوک ہوگئی۔ ہلمٹ خریدے تین ہی دن ہوئے تھے۔ایک مسجد کو نماز کے لئے گیا تھا وہاں ہلمٹ چوری ہوگئی۔بس ذرا سی غفلت کا یہ انجام ہے۔

ہم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا، حضور مثل مشہور ہے کہ ''شادی کرو تو پچھتاؤ نہ کرو تو پچھتاؤ'' یہی معاملہ ہلمٹ کا بھی ہوا۔ہلمٹ نہ ہو تو بقول سرکار سر کی حفاظت مشکوک۔دھوپ بارش اور بیلن سے بچاؤ ناممکن ۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہلمٹ پہن کر آدمی نیم بہرا نیم اندھا ہو جاتا ہے۔ہلمٹ کے گوشے کانوں کو ڈھک لیتے ہیں تو گاڑیوں کے ہارن نہیں سن سکتے چشمہ کا عادی ہلمٹ پہن کر چشمہ نہیں لگا سکتا اور نیم اندھا ہو جاتا ہے اور کسی وقت سرِ بازار بیوی کی کسی ہم شکل عورت کی مزاج پرسی کر بیٹھے تو اس غریب کی جو درگت بنے گی ناقابل بیان ہے۔اگر ہلمٹ پہنی ہے تو اس کی حفاظت کا سامان بھی چاہئے ۔لہٰذا آپ میر صاحب کا مذکورہ شعر گانٹھ میں باندھ رکھیں ورنہ ہلمٹ کسی دقت اردو شاعری کے محبوب کی طرح بغیر کسی پیشگی دھمکی کے روٹھے تو سیدھے کسی رُوسیاہ کی گود میں جا

بیٹھے،تو تعجب نہیں۔........وہ کیا جواب دیتے،بیل کی طرح سر ہلا کر چلنے کو ہوئے تو ہم نے پوچھا کہاں چلے۔وہ بولے دوسری ہلمٹ لینے جارہا ہوں.....ہم نے کہا: حضور! پورے نقصان سے آدھا نقصان غنیمت ہے۔لہٰذا کسی گجری بازار کی خاک چھان آیئے۔نصف قیمت میں کوئی نہ کوئی ہلمٹ مل جائے گی۔تعجب نہیں کہ آپ کی گم گشتہ ہلمٹ ہی وہاں سستے داموں مل جائے ........چنانچہ ایک ماہ بعد جب قانون آیا اور پچھلی سیٹ کے سوار بخش دئے گئے تھے۔بیگم نے جب یہ سنا تو سر پر پلّو درست کر کے عقیدت سے بولیں ''میں نے منت کا روزہ رکھا تھا،اللہ نے سن لی۔

☆☆☆

**(عکاسِ عصر اور شاعرِ فطرت کا بقیہ)**

کئی اشعار میں پند و نصیحتیں بھی ہیں:

کیوں برا کہتے ہو پڑوسی کو۔اپنے بچوں کو قاعدے میں رکھو
اس کو ٹھوکر کبھی نہیں لگتی۔جو میانہ روی سے چلتا ہے
زندگی کے عزیزؔ سانچے میں۔آدمی ڈھلتے ڈھلتے ڈھلتا ہے
طفلِ مکتب ہے وہ نہ سمجھے گا۔تجربہ زندگی سے ملتا ہے
خدمتِ قوم جو کرے بےلوث۔ایسے سردار کو ترستے ہیں
گرنے کی اور اٹھنے کی حرکت بری نہیں۔بچے کو پاؤں چلنا سکھا دیتی ہے میاں
دنیا سے آپ اتنی محبت نہ کیجئے۔دنیا خدا کی یاد بھلا دیتی ہے میاں
بےاصولی میں اطمینان کہاں۔زیست میں ضابطہ ضروری ہے
دوستو! امن میں بھلائی ہے۔جنگ کا خاتمہ ضروری ہے
حل مسائل کا ڈھونڈنے کے لیے۔باہمی مشورہ ضروری ہے
دوسروں کو سمجھنے سے پہلے۔خود کو ہی جاننا ضروری ہے
شر سے بچنے کے واسطے یارو۔خیر کا راستہ ضروری ہے
وعظ و بیاں سے کوئی متاثر نہیں ہوا
کردار ہونا چاہیے گفتار کی طرح

اس طرح کے کئی اشعار میں عزیزؔ نے فلسفۂ زندگی کو بیان کیا ہے۔زندگی کی بہتری کی باتیں بیان کی ہیں۔عزیزؔ کی غزلیات میں انسان کے مختلف جذبات،خیالات،تاثرات کا عکس بھی موجود ہے اور عصری سماجی شعور وحسیت بھی۔ان کی غزلیات میں جابجا ایسے اشعار مل جاتے ہیں جن میں انھوں نے زندگی کے مختلف پہلوؤں اور انسانی مسائل کو غزل کی زبان میں پیش کیا ہے۔ان کی شاعری کی اس نمایاں واہم خصوصیت کی بنا پر ہی اگر ان کو عکاسِ عصر اور شاعرِ حیات کے خطاب سے یاد کریں تو بہت مناسب ہوگا۔

☆☆☆

**(ہائے رے حال مشاعروں کا بقیہ)**

رحمت علی بے تاب صاحب! کل ہند مشاعرے میں شرکت کے لیے دھرم آباد تشریف لے گئے تھے۔آپ نے خوب داد لوٹی ہوگی کیونکہ کل ہند مشاعروں کو لوٹنے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

بھائی! دھرم آباد کے کل ہند مشاعرے میں میرا بھرم ہی ٹوٹ گیا۔میں سمجھتا تھا کہ ڈائیلاگ کے طرز پر بیان اور خوبصورت ترنم کے بل بوتے پر مشاعرہ لوٹنے میں میرا کوئی ثانی نہیں ہے۔لیکن اس مشاعرے میں ایک دس برس کا بچہ شاعر رفیق احمد بجلی جب دل چسپ ڈائیلاگ،خوبصورت ترنم اور متاثر کن کلام سنانے لگا تو سامعین خصوصاً نوجوان سامعین میں داد وتحسین کا ایک طوفان سا اٹھا۔اس طوفان کے سامنے میرا کلام،میری اداکاری اور میرا ترنم سب ٹائیں ٹائیں فش ہوکر رہ گئے۔ایسا لگتا تھا کہ آنے والے دنوں میں مجھ جیسے منجھے ہوئے سینئر شعرا گوشۂ گم نامی میں چلے جائیں گے۔کل ہند مشاعروں میں صرف بچہ شعرا کا راج ہوگا۔

☆☆☆

**(اقبالؔ اور نیا ذہن کا بقیہ)**

آج کی بنی بنائی فضا بندی سے ہٹ کر اقبالؔ کی شاعری سے متعلق میری مختصر رائے یہ ہے کہ کلام پڑھا لکھا کلام ہے۔اقبالؔ نے زندگی کو ایک مفکرانہ ذہن رکھنے والے شاعر کی حیثیت سے دیکھتے ہوئے فلسفیانہ شاعری کی جو عمدہ مثال پیش کی ہے اور اس نئی قسم کی شاعری کے لیے مناسب ترین لفظیات واسالیب دریافت کرتے ہوئے فکر وفن میں جس طرح توازن برقرار رکھا ہے،اس کی مثال بین الاقوامی شاعری میں غالباً کہیں دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔حالیؔ اور محمد حسین آزادؔ نے اردو میں جس نئی نظم کی بنیاد رکھی تھی،اس کی تکمیل ہمیں اقبالؔ کے یہاں نظر آتی ہے۔ اقبالؔ نظم ہی کے نہیں غزل کے بھی شاعر ہیں۔ان کی غزلوں کو روایتی معنوں میں غزلیں نہیں کہا جاسکتا۔(کیونکہ ان میں ''بازناں گفتن''والی کوئی بات نہیں ہوتی) لیکن انھوں نے غزل کی روایت سے جس طرح بغاوت کی ہے،اس سے صنفِ غزل کے مواد اور اسلوب دونوں میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ان غزلوں کے مفکرانہ لب و لہجہ سے آنے والی نسل بہت کچھ استفادہ کرسکتی ہے۔یہ ہم اردو والوں کی کوتاہی ہے کہ اپنے اندر اقبالؔ جیسا شاعر رکھتے ہوئے بھی ہم نے انھیں عالمی ادب کے سامنے صحیح انداز سے پیش کرنے کی کوشش نہیں کی۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی نظموں کے ساتھ ساتھ ان کے فکر وفن سے متعلق اب تک لکھے گئے بہترین مقالوں کا ترجمہ بین الاقوامی ادب کے سامنے پیش کیا جایے تا کہ سارے عالم میں ان کی عظمت کا صحیح اعتراف ہوسکے اور بین الاقوامی ادب میں اقبالؔ کو ان کا جائز مقام حاصل ہو۔

☆☆☆

افسانہ

منیر ارمان نسیمی
ChhotaShankarpur
DarziPatti.Bhadrak-756100
Odisha

# کیا تمھیں یاد ہے؟

مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ سنیچر کا دن تھا اور میرے ڈگری اگزام کا آخری پرچہ تھا اس دن ۔ میں سبزی منڈی سے سبزی لے کر جلدی میں گھر واپس ہو رہا تھا کہ غسل، ناشتہ وغیرہ کر کے نکلنے میں کہیں دیر نہ ہو جائے ۔ اگر پتا جی کی طبعت اچانک خراب نہ ہو جاتی تو ...... ماں مجھے ایگزام کے ٹائم میں کبھی بھی ڈسٹرب نہیں کرتیں اور نہ گھر کا کچھ کام کرنے کو کہتیں ۔ تم اپنے اسکوٹی لے کر اچانک میرے سامنے آ گئیں اور جب تک میں سنبھلتا اور بریک لگاتا ...... دونوں بائک آپس میں ٹکرا چکی تھیں ۔ تم چھٹک کر دور جا گری تھیں اور تمہارے سر سے خون بے تحاشہ نکل رہا تھا ۔ چاروں طرف سے لوگ تمہاری طرف دوڑ پڑے تھے، کسی نے مجھے اٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی ۔ خود اٹھ کر تمہارے پاس پہنچا تو لوگ، میرا قصور نہ ہوتے ہوئے بھی میرے اوپر برس پڑے تھے، مجھے گالیاں دے رہے تھے ۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے کہ کیا کروں؟ تم خون میں لت پت بیہوش پڑی تھیں ۔ کسی نے مجھے ایک مُکا لگا دیا تو میرے حواس ٹھکانے آئے اور میں نے بھیڑ میں لوگوں سے گزارش کی کہ بھائی کوئی میری مدد کرو، ان کو ہسپتال پہنچانا ہے ۔ بڑی مشکل سے میں، ایک آٹو رکشا میں تمہیں لے کر سیٹی ہاسپٹل پہنچا تھا ۔ تمہیں ایڈمیٹ کروانے کے بعد، تمہارے گلے میں لٹکے ہوئے موبائل سے میں نے سب کو تمہارے ایکسیڈنٹ کے بارے میں خبر کر دی تھی ۔ جو دوائیاں ڈاکٹر نے فوراً لانے کو کہا میں لے آیا تھا اور ایک نیک دل نرس سے میں نے التجا کی کہ وہ تمہارے پاس تب تک رہے جب تک تمہارے گھر والے نہ آ جائیں، اور اسے ایک سو کا نوٹ دیکر میں گھر واپس آیا تھا ۔ ماں نے میری حالت اور کپڑوں پر لگے خون دیکھ کر سر پیٹ لیا تھا کہ 'ہائے رام! میرے بچے کو کیا ہوا؟' ۔ مگر میرے پاس ان کو سب بتانے کا وقت نہیں تھا ۔ ایگزام کو شروع ہوئے آدھا گھنٹہ سے اوپر گزر چکا تھا ۔ بڑی مشکل سے مجھے پیپر لکھنے کی اجازت ملی تھی (میرے کپڑوں پر لگے تمہارے خون کے داغ کام آ گئے تھے!) ۔ میرا وہ پیپر زیادہ اچھا نہیں گیا، کیونکہ ...... میں تو آدھا ایگزام ہال میں آدھا ہاسپٹل میں تمہارے پاس تھا ۔ عجیب برے برے خیالات میرے ذہن کو جھنجوڑ رہے تھے ۔ ایگزام ختم ہوتے ہی میں سیدھا ہاسپٹل پہنچا تھا مگر...... تمہارا بیڈ خالی تھا ۔ خوف کی ایک سرد لہر میری رگوں میں دوڑ گئی تھی کہ بھگوان نہ کرے کہیں تم ......؟ مگر جب میں نے ریسیپشن سے پتا کیا تو معلوم ہوا کہ تمہارے پتا جی آ کر لے گئے ہیں ۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کوئی خطرے کی بات نہیں ہے، خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے تم بیہوش ہو گئی تھیں ۔ میں خوشی اور غم کے ملے جلے احساس کے ساتھ جب گھر لوٹا تو ...... ماں اور سمرن کی آنکھیں رو رو کر پھولی ہوئی تھیں، اور دونوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا ۔ میں نے انھیں سارا ماجرا بتایا تو ان کی جان میں جان آئی اور وہ تمہارے لئے بھگوان سے دعائیں مانگنے لگی تھیں ۔ مجھے آج بھی وہ دن، اور وہ ساری باتیں ...... حرف بہ حرف یاد ہیں!

اور پھر میں این ایس ایس کے کیمپ میں شملہ چلا گیا ۔ جب گھر واپس ہوا تو میرے چھوٹی بہن سمرن نے بتایا کہ تم ہمارے گھر آئی تھیں اور اس دن جو حادثہ تمہاری غلطی کی وجہ سے ہوا تھا ...... اس کے لئے تم مجھ سے معافی مانگنا چاہتی تھیں ۔ اور ہاں ...... اس دن ماں نے تمہیں لسّی بھی پلایا تھا ۔ کیا تمہیں یاد ہے روما؟ پھر دو چار دن بعد تم نے فون بھی کیا تھا کہ میں واپس ہوا یا نہیں، کب تک واپس ہونگا؟ اور تم نے سمرن سے میرا موبائل نمبر بھی لیا تھا مگر کبھی کال نہیں کیا ۔ تمہیں یاد ہے روما، میں نے بتایا تھا کہ سمرن نے مجھے تمہارا نام لے لے کر بہت تنگ کیا تھا ۔ اور اسکے مذاق نے مجھے تمہارے بارے میں سوچنے کے لئے مجبور کر دیا تھا ۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے، میں کیمپ سے تھکا ہارا آیا تھا، جی بھر کے سونا چاہتا تھا مگر ...... سمرن کے مذاق نے میری نیند اڑا دی تھی، تمہارا خون سے لت پت چہرہ ...... ہاسپٹل کے بیڈ پر پڑا ہوا تمہارا وجود ...... بار بار میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا ۔ میں نے رات بھر تمہیں سوچتے ہوئے ...... آدھا سوتے آدھا جاگتے ہوئے گزارا تھا ۔

تمہیں یاد ہے روما ...... اس دن فرینڈ شپ ڈے تھا اور سنڈے بھی ۔ میں گھر پہ تھا ۔ کالنگ بیل کی آواز پہ جب میں نے دروازہ کھولا تو تمہیں اپنے سامنے دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا ۔ کیا تمہیں یاد ہے روما ...... اس دن تم نے کیا پہنا تھا؟ تم گہرے نیلے رنگ کا ٹی شرٹ اور جینس میں غضب ڈھا رہی تھیں ۔ تم نے اپنے بالوں کو سوکھنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا تھا جو بار بار تمہارے گالوں کو چھو رہے تھے ۔ ایسا لگتا تھا جیسے بادل بار بار چاند کو ڈھک لیتا ہو اور پھر آزاد کر دیتا ہو ۔ میں مبہوت سا تمہاری پیاری صورت کو تکتا رہ گیا تھا کہ تم نے شرما کر ...... اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاب کو

میرے گال پہ ہلکے سے مار کر کہا تھا...... ''ہیپی فرینڈشپ ڈے''۔ اور میں چونک کر ہوش میں آ گیا تھا۔ ''کیا مجھے دروازے سے ہی واپس کرنے کا ارادہ ہے؟ ماں اور سمرن سے ملنے نہیں دو گے کیا؟''......تم نے پوچھا تھا اور میں جھینپ گیا تھا کہ دروازے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ میں بے خیالی میں گلاب کے ساتھ تمہاری کلائی کو پکڑ کر تمہیں گھر کے اندر لے آیا تھا۔ تمہیں یاد ہے روما......ہمیں ایسے آتے دیکھ کر سمرن نے شرارت کی تھی اور کمینٹ کیا تھا......''واہ، کیا جوڑی ہے!'' اور ہم دونوں لاجواب ہو گئے تھے۔

مجھے یاد ہے روما...... ایک ایک بات، ہر وہ واقعہ...... جو ہم دونوں سے جڑا ہے۔ تمہیں یاد ہے روما......تم نے ہی مجھے پرپوز کیا تھا ورنہ مجھ میں اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ تم سے اپنی محبت کا اظہار کر پاتا۔ کیا کرتا میں بچپن سے ہی شرمیلا ہوں۔ جب تم نے دیکھا کہ میں دوستی سے آگے ہی نہیں بڑھ رہا ہوں تو تم نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس دن پارک میں اظہار محبت کر دیا۔ سچ بتاؤں روما......وہ دن آج بھی میری زندگی کا سب سے خوبصورت دن تھا۔ تمہیں اپنی بانہوں میں لے کر گھنٹوں پارک میں بیٹھنا میرے لئے کسی حسین خواب سے کم نہیں تھا، جو حقیقت ہو گیا تھا۔ اس دن جب میں گھر واپس ہوا تھا تو میرے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی اور میرے چہرے کی چمک سے ہی سمرن سمجھ گئی تھی کہ مجھے کونین کی دولت مل گئی ہے، مجھے تمہاری محبت مل گئی ہے! آخر وہ اتنی بھی چھوٹی نہیں تھی، مجھ سے صرف تین سال چھوٹی تھی مگر باتیں بہت بڑی کرتی تھی۔ اس نے کہا تھا......''بھیا مبارک ہو! مگر کروڑ پتی باپ کی اکلوتی بیٹی کی محبت بہت مہنگی ہوتی ہے۔ کہیں ہمیں بھول نہ جانا؟''۔

تمہیں یاد ہے روما...... اس دن جب ہم دونوں پریا ٹاکیز میں 'ہم دل دے چکے صنم' فلم دیکھ رہے تھے۔ تمہارا سر میرے کندھوں پر تھا۔ تم اس وقت کتنا روئی تھیں جب ایشوریہ رائے کی شادی ...... زبردستی اجئے دیوگن سے ہو جاتی ہے۔ تمہارے آنسوؤں سے میرا کندھا بھیگ گیا تھا۔ میں آج بھی جب کبھی اس فلم کو دیکھتا ہوں تو...... مجھے اپنے کندھے پر گیلا پن محسوس ہوتا ہے......میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں اور میں آگے کی فلم دیکھ نہیں پاتا۔ یاد ہے روما......تم نے فلم ختم ہو جانے کے بعد...... اچانک مجھ سے پوچھا تھا...... ''اچھا سمیر! بھگوان نہ کرے میری شادی کسی اور کے ساتھ کر دی گئی تو......تم کیا کرو گے؟''۔ میں سٹپٹا گیا تھا مگر سچ بول گیا تھا کہ...... ''میں وہی کرونگا جو......سلمان خان نے کیا''۔ تم مجھ سے لپٹ گئی تھیں اور مضبوطی کے ساتھ کہا تھا...... ''نہیں سمیر......ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ میں ایشوریہ کی طرح چپ چاپ کسی اور سے شادی نہیں کرونگی۔ تم نہیں تو پھر کوئی نہیں!''۔

مگر آج......تم بھی ہو، میں بھی ہوں لیکن...... ہمارے درمیان کوئی ہے جو دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ وہ کون ہے روما؟ جو ہمارے درمیان ''کوئی'' بن کے آیا ہے اور میری غیر حاضری میں......میری سلطنت ہی لوٹ گیا ہے؟ پانچ سال کی جدائی......اتنی لمبی تو نہیں تھی کہ......تم میرا انتظار نہیں کر سکتی تھیں؟ کیا تمہیں یاد نہیں ہے روما کہ تمہاری خواہش کو پورا کرنے کے لئے ہی میں ملک سے باہر گیا تھا۔ تمہاری ہی ضد تھی کہ میں ایک سائیکاٹرسٹ بنوں اور میں بھی کتنا پاگل تھا کہ تمہاری بات مان کر یہاں چلا آیا۔ مگر آج...... جب تم میرے ہی ہاسپٹل میں ایک پاگل مریض کی صورت داخل ہوئی ہو تو......تمہاری حالت اور تمہاری مانگ کا سیندور...... مجھے پاگل کر رہا ہے۔ کچھ تو بولو روما...... بھگوان کے لئے کچھ تو کہو! کیا تمہیں یاد ہے......تم نے ہی کہا تھا کہ...... ''ہر پاگل اپنے اندر ایک دردناک کہانی چھپائے ہوئے ہے!''۔ میں وہ کہانی سُننا چاہتا ہوں روما...... میں وہ دردناک حقیقت جاننا چاہتا ہوں...... جو تم اپنے اندر چھپائے بیٹھی ہو!! ☆☆☆

**(سادگی کا بقیہ)**

ٹھیک ہو گئیں۔ اس کے بعد سے انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کسی بھی تقریب میں بناؤ سنگھار کر کے نہیں جائیں گی۔

ایک دن بیٹا جب دکان بند کر کے آیا تو ماں نے اس کے سامنے کھانا پروس دیا۔ اس کے بعد پاس کی کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگیں کہ بیٹے! تو نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اس قدر سج دھج کر باہر نکلنا مناسب نہیں۔ دراصل میں آج کے اس ترقی یافتہ زمانے کے رواج کے مطابق بن سنور کر تقریبات میں جایا کرتی تھی۔ مگر اب ایسا نہیں کروں گی۔ میں جان چکی ہوں کہ سادگی میں جو حسن ہے وہ بناوٹ کے سج دھج میں نہیں ہے۔ اس کے بعد سے ناز انجم سیدھی سادی زندگی گزارنے لگیں۔ ☆☆

**ارشد دیوانؔ (برہمپور جالے۔ دربھنگہ)**
Mob-9264161866

## ایک غزل

مجھ پہ احسان جتاتے کیوں ہو اک نیا زخم لگاتے کیوں ہو
یوں نظر اپنی ملا کر مجھ سے میری خواہش کو بڑھاتے کیوں ہو
ہم تو کیا آپ بھی روئے ہوں گے سچ کہو جھوٹ بتاتے کیوں ہو
مجھ کو جینے کی اب امید نہیں بات یہ کہہ کے رلاتے کیوں ہو
رات بھر ہنستے ہویے تاروں سے اپنی مجبوری سناتے کیوں ہو
اس طرح کیوں بھلا میرے ارشدؔ انگلیاں مجھ پہ اٹھاتے کیوں ہو

**صادق علی انصاری**
Nasheman
198-A-Shaikh Sarai
Sita Pur-261001(UP)

# افسانچے

## نہ چاہتے ہوئے بھی

ہیڈ آفس سے اردو زبان کی بابت اسٹیٹ منٹ مانگا جاتا ہے کہ گزشتہ چھ ماہ میں کتنی درخواستیں اردو میں پیش کی گئیں۔
اسٹیٹ منٹ ہمیشہ نل میں تیار کر کے ارسال کر دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی یہ کہ اس کام کو مجھے ہی کرنا پڑتا ہے۔

## کہاوت

کتابیں مانگنے والے دوستوں سے تنگ آ کر مسٹر زبیری نے باہری کمرے میں ایک فرانسیسی کہاوت وارننگ کے طور لگا دی تھی۔ وارننگ کا مفہوم تھا کہ کتابیں پڑھنے کے لئے دینے والا بے وقوف ہوتا ہے اور جو شخص پڑھنے کے بعد واپس کر دے وہ اس سے بڑا بے وقوف ہوتا ہے
کتابیں مانگنے والوں میں حد درجہ کمی واقع ہوئی تھی

## شاید

پراویزن اسٹور پر موجود تین چار کسٹمرس جب سامان خرید چکے تو میں نے اپنا سامان لکھا ہوا پرچہ دوکاندار کی طرف بڑھایا۔ پرچہ دیکھ کر اس نے نوکر کو دے دیا اور نوکر نے سامان پیک کرنا شروع کیا۔ چونکہ سارا سامان پیکٹس میں تھا اس لئے مجھے نپٹانے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دورانِ خریداری میں نے دوکاندار سے جو کچھ پوچھا تو اس نے ہوں، ہاں یا پھر اشارے سے منہ ٹیڑھا کر کے جواب دیا۔ وہ پڑیا کھائے ہوئے تھا جس کی پیک منہ میں بھری ہوئی تھی۔ بات کچھ سمجھ میں آئی کچھ نہیں بھی............سامان لے کر جب میں چلا تو راستے میں سوچنے لگا کہ ''پڑیا اور پان کھانے کی وجہ سے چوراہے کا ایک میڈیکل اسٹور بند ہو گیا اور اب لگتا ہے کہ اس پراویزن اسٹور کا بھی شاید وہی حشر ہونے والا ہے۔

☆☆☆

**فوزیہ کوثر**
H.No:4-6,KeesaraMandal
Via:Ghtkesar.Dist:Medchal-501301
Mob-8121936957

## سادگی

لفظ سادگی سنتے ہی میرا دل مسرور ہو جاتا ہے۔ اور میرا دماغ اس جانب متوجہ ہو جاتا ہے کہ بے شک یہ حقیقت ہے کہ ''سادگی ایمان کی علامت ہے''۔ اس سادگی میں جو خوبصورتی ہوتی ہے وہ چمک دمک میں نہیں ہوتی۔ لیکن آج کل ہمارے سماج میں بناؤ سنگار کرنا' زمانے کے ساتھ چلنا' سر کے بال کٹوانا وغیرہ باتیں دماغ میں سمائی ہوئی ہیں کہ کہیں شادی کی تقریب ہو یا پھر سالگرہ یا کوئی تہوار یا گھر بھرائی ہو کچھ بھی ہو عورتیں اپنے بناؤ سنگار پر زیادہ توجہ دیتی ہیں کیونکہ جو عورتیں سادہ لباس میں ہوتی ہیں اس نئے زمانے کی خواتین انھیں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتی ہیں۔ خصوصاً سادہ لباس میں ایک عورت کو دیکھ کر دوسری عورتیں کہتی ہیں کہ دیکھو وہ کتنی اناڑی ہے' اسے معلوم نہیں کہ کسی تقریب میں بن سنور کر جانا ہوتا ہے۔

انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عورت کا زیور سونے چاندی اور بناؤ سنگھار میں نہیں بلکہ حیا اور سادگی میں ہے۔ شہر سے کافی دور ایک بستی ہے جہاں کے لوگ بہت خوشی سے رہتے ہیں۔ آپس میں لڑائی جھگڑے، دنگے فساد جیسے خرافات سے کوئی مطلب نہیں رکھتے۔ اسی بستی میں ایک تاجر شہر یار خاں کا ایک پختہ مکان بھی ہے، جو کچھ دن قبل ہی بنایا گیا تھا اور اب گھر کو سجایا گیا ہے کیونکہ گھر بھرائی کی تقریب تھی۔ اس لئے بہت سارے لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ شہر یار خاں اپنی شریک حیات ناز انجم اور اکلوتے بیٹے ابراہیم کے ساتھ پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ شہر یار خاں ایک کالج میں لکچرار تھے اور اچھی تنخواہ پاتے تھے۔ علم سے ان کا بڑا لگاؤ تھا۔ جبکہ ان کا بیٹا ابراہیم کپڑے کی ایک دکان میں ملازم تھا۔ اسے جب تنخواہ ملتی تو وہ اپنی ماں کو دے دیا کرتا تھا۔ اچھے کردار کا مالک تھا اور مذہبی خیالات رکھتا تھا۔ جب اس کی ماں ناز انجم کسی شادی یا کوئی اور تقریب میں شرکت کے لیے جاتیں تو بہت بن سنور کر نکلتی تھیں۔ بیٹے کو یہ بات پسند نہیں تھی اور ماں سے کہتا کہ اتنی عمر میں اس طرح کا پہناوا زیب نہیں دیتا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک عزیز کی شادی میں اس کی ماں اسی طرح بن سنور کر گئی تھیں۔ گھر واپس آنے کے بعد ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔ سر میں چکر اور متلی ہونے لگی۔ اس نے سوچا کہ ماں کو نظر لگ گئی ہے تو ایک عامل کے پاس لے گیا۔ عامل نے کہا کہ نظر اتارنے کے لیے ہر جمعرات کو میرے پاس آنا ہوگا اور علاج کے لیے دس ہزار روپے آپ کو دینا ہوں گے۔ بہر حال علاج کے بعد ماں **(بقیہ صفحہ 61 پر)**

**منظور وقار**
YadullaColony
Gulbarga-585104(Larnataka
Mob-9731428416

# ہائے رے حال مشاعروں کا

جناب! شکیل احمد صندل گھر صاحب آپ سرکاری محکمہ میں اعلیٰ افسر ہیں۔ موٹی تنخواہ کے علاوہ آپ کو اوپر کی ملائی بھی خوب ملتی ہے۔ کار، بنگلہ، بینک بیلنس سب کچھ ہے۔ آپ کو غزلیں لکھنے اور مشاعرہ پڑھنے کا شوق کیوں ستا رہا ہے؟

بھائی میرے پاس عہدہ، بینک بیلنس سب کچھ ہے۔ مرنے کے بعد میری سنگِ مرمر کی قبر بنے گی۔ دھوم دھام کے ساتھ چہلم منا کر میرے اہلِ خانہ اور رشتہ دار بریانی اور میٹھا ڈکار جائیں گے۔ اس کے بعد میری بیوی بچے مجھے بھول کر میری جائیداد کی تقسیم میں مصروف ہو جائیں گے۔ اگر میں غزلیں لکھ کر مشاعرے میں کلام سناتا رہوں تو میری شہرت کے ڈنکے ملک بھر میں بجنے لگیں گے۔ کوئی میری شخصیت اور شاعری پر پی ایچ ڈی کرے گا۔ میرے مرنے کے بعد شہر میں میرے لیے تعزیتی جلسے ہوں گے۔ ملک کے مرحوم شعرا میں میرا نام باقی رہے گا۔

☆☆☆

جناب آپ کیا کرتے ہیں؟

کچھ نہیں بے روزگار ہوں۔ صرف مشاعرے پڑھتا ہوں۔

بھائی تم کیا کرتے ہو؟

کچھ نہیں بے روزگار ہوں۔ صرف شراب نوشی کرتا ہوں۔ گویا آپ کو مشاعروں کی لت نے با روزگار بنا دیا ہے اور مجھے شراب کی لت نے بے روزگار بنا رکھا ہے۔

ہاں بھائی ہم دونوں کا ایک ہی معاملہ ہے۔ پھر بھی شراب کی لت چھوٹ سکتی ہے۔ تم شراب نوشی چھوڑ کر کام کاج میں لگ سکتے ہو۔ عادی شرابی شراب نوشی ترک کر کے مفید کاموں میں لگ گئے ہیں۔ لیکن غزلیں لکھنے والے اور مشاعرے پڑھنے والے کی لت ایک بار لگ گئی تو مرنے تک نہیں چھوٹتی۔

☆☆☆

رحمت سیٹھ رنگدل صاحب اردو شعر و شاعری اور مشاعروں کے شوق میں مبتلا ہو کر اپنے قیمتی وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ دولت اور جائیداد سے بھی ہاتھ دھو لیتے ہیں۔ لیکن آپ کا کلام مشاعروں میں جوں جوں دھوم مچا رہا ہے ویسے ویسے آپ کے بنگلوں اور بینک بیلنس میں بھی اضافہ ہونے لگا ہے۔

ہاں بھائی! میں دور اندیش ہوں اور شاعر ہونے کے علاوہ ایک کامیاب تاجر بھی ہوں۔ میں کاروبار، دولت کمانے اور جائیداد بنانے کے لیے کرتا ہوں۔ شاعری صرف مشاعرے لوٹنے اور شہرت بٹورنے کے لیے کرتا ہوں۔

☆☆☆

بھائی! میں بہت اچھی اور معیاری غزلیں لکھنے کے باوجود میری غزلوں کو نہ کوئی نقاد گھاس ڈالتا ہے اور نہ کوئی ستائش کرتا ہے۔

جناب! اس میں کون سی پریشانی کی بات ہے۔ آپ اپنے شہر میں اپنی کوششوں اور خرچ سے کل ہند مشاعرہ منعقد کرائیے۔ اس مشاعرے کی صدارت بھی آپ ہی سنبھالیے۔ پھر دیکھئے مشاعرے کے دوران ہر شاعر اپنا کلام سنانے سے پہلے آپ کی اجازت طلب کرے گا۔ آپ کی شخصیت اور شاعری کی تعریف میں ایسے ایسے خوبصورت جملے ادا کرے گا کہ جس کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتے۔

☆☆☆

مسٹر جھنکار صاحب! کل ہند مشاعرے کے اختتام پر غزل سنانے کے لیے آپ کو جو معاوضہ (لفافہ) ملا تھا اس میں سے آدھی رقم آپ نے ناظمِ مشاعرہ کو دے دی کیوں؟

کیونکہ بھائی مشاعرہ پڑھنے پر مجھے معاوضے کے طور پر جو لفافہ ملا تھا اس میں سے آدھی رقم ناظمِ مشاعرہ کے دینے پر راضی ہونے کے بعد ہی اس نے مجھے غزل پڑھنے کا موقع دیا تھا۔ ورنہ میری شاعرانہ حیثیت ہی کیا ہے کہ مجھے کل ہند مشاعرے میں مدعو کیا جایے۔

☆☆☆

جناب یہ صحیح ہے کہ عظیم الدین عظمت صاحب ایک دولت مند شاعر ہیں۔ لیکن اتنے بڑے شاعر بھی تو نہیں کہ ان کی صدارت میں کل ہند مشاعرہ منعقد کیا جایے۔

بھائی! کل ہند مشاعرے کی صدارت کی خاطر ہی تو عظمت صاحب شہر میں پہلی بار کل ہند مشاعرہ اپنے صرفِ خاص سے کروا رہے ہیں۔ اگر مشاعرے کی صدارت انھیں نہیں دی گئی تو وہ منتظمینِ مشاعرہ اور مدعو شعرا کو پھاڑ کھائیں گے۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ 59 پر)

# کتابوں کے شہر میں

**(تبصرے کے لئے دو کاپیوں کا آنا ضروری ہے)**

اگر اپنی کتابوں کا اشتہار بھی دیں تو تبصرہ ترجیحی بنیاد پر جلد شائع کیا جائے گا۔ایک صفحے کے اشتہار کی شرح ایک ہزار روپے ہے۔تبصرے کے لیے کافی کتابیں جمع ہو چکی ہیں۔ان پر تبصرہ ترتیب وار شائع ہوتا رہے گا۔(ادارہ)

**کتاب کا نام:۔میرے منتخب پیش لفظ (تنقید و تجزیہ)**

**مصنف:۔کرامت علی کرامت مبصر:۔سعید رحمانی**

اردو کے عصری نظر نامہ میں پروفیسر کرامت علی کرامت ایک ہمہ جہت شخصیت کے بطور منفرد شناخت رکھتے ہیں۔شعر و ادب نقد و تحقیق،صحافت اور ترجمہ نگاری کے باب میں انہوں نے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ ہمیشہ تاریخ ادب کا حصہ بنی رہیں گی۔اب تک ان کی بیسوں کتابیں منظر عام پر آ کر اہلِ ادب سے خراج حاصل کر چکی ہیں۔یہ کتابیں شاعری،تنقید،تذکرہ شعرائے اڑیسہ، صحافت،منظوم ترجمہ،اڑیا زبان ایک مطالعہ وغیرہ موضوعات پر مشتمل ہیں۔اس کے علاوہ انگریزی نظموں کے دو مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ساتھ ہی نقد و تحقیق اور اڑیا نظموں کے ترجموں پر مشتمل کچھ کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔ان کی شاعری کے تعلق سے عنوان چشتی رقمطراز ہیں''کرامت علی کرامت کی شاعری روایت اور جدت کی کشمکش کی شاعری ہے۔انہوں نے اردو شاعری کے روایتی عناصر کو اپنی ذہانت اور تخلیقی اپج سے ایک نئی زندگی عطا کی ہے''

بہت سارے دیگر مشاہیر ادب بھی ان کی شعری بصیرت اور کمال فن کا اعتراف کر چکے ہیں۔ان کی شاعری خصوصاً نظموں میں سائنسی نظریات کے علاوہ علم الانسان،عمرانیات،نفسیات وغیرہ کی جھلکیاں بھی پائی جاتی ہیں۔

راقم الحروف کی نگاہوں میں کرامت صاحب وہ واحد شخصیت ہیں جنھیں بجا طور پر اڈیشا میں اردو کی آبرو کہا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ ڈاکٹر عزیز الرحمٰن اور عبدالمتین جامی صاحبان نے ایک کتاب ترتیب دی ہے جس کا عنوان ہے ''اردو ادب کا کوہِ نور:کرامت علی کرامت''۔اس میں کرامت صاحب کی ادبی خدمات کو بڑی تفصیل کے ساتھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہیں رہا ہے۔مجھے مذکورہ دونوں صاحبان سے اتفاق ہے اور اس میں دو رائے نہیں کہ کرامت صاحب اردو ادب کے کوہِ نور ہیں۔میں یہاں تک کہوں گا کہ اڈیشا تو کیا برصغیر ہند و پاک میں کرامت صاحب جیسی شخصیت کی نظیر خال خال ہی پائی جاتی ہے۔

غزل تجرباتی دور سے بھی گزرتی رہی ہے۔آزاد غزل کا تجربہ بھی کیا جا چکا ہے اور کرامت صاحب کا شمار اس کے نظریہ سازوں میں کیا جاتا ہے۔تنقید نگاری کے حوالے سے بھی انہیں نمایاں مقام حاصل ہے۔ان کی کتاب ''اضافی تنقید''،جدید شاعری کی تفہیم میں بڑی حد تک معاون ہے۔

صحافت کے میدان میں بھی وہ فعال رہے ہیں۔یوں تو متعدد ادبی رسائل کے ادارتی بورڈ سے وابستہ رہے مگر ان کی نگرانی میں ''شاخسار'' ایک ایسا رسالہ تھا جسے ہندوستان گیر شہرت حاصل رہی۔اس کا اداریہ ''میرا صفحہ'' کے عنوان سے کرامت صاحب لکھا کرتے تھے۔یہ سبھی اداریئے نہ صرف فکر انگیز ہیں بلکہ مدلل بھی ہیں۔ان اداریوں کو انہوں نے کتابی شکل دے دی ہے جس کا عنوان ہے ''شاخسار کے اداریے اور تبصرے''۔

ان کی تازہ ترین تصنیف ''میرے منتخب پیش لفظ'' اس وقت میرے سامنے ہے،اس میں کل ۶۷ مقدمات شامل ہیں۔گفتنی کے تحت کرامت صاحب نے پیش لفظ یا مقدمہ کے مقصد پر روشنی ڈالی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس میں صرف مصنف یا شاعر کی تخلیقات کا مثبت پہلو ہی دکھایا جاتا ہے۔مگر ان کے خیال میں مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کی نشاندہی ضروری ہے۔انھوں نے اب تک جتنے پیش لفظ لکھے ہیں ان میں ان دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا ہے۔اس کے علاوہ مصنف کے مقام و مرتبہ کا تعین بھی ان کے خیال میں ضروری ہے نیز ایک پیش لفظ میں جو بات کہی گئی ہے اسے دوسرے کسی پیش لفظ میں دہرانا معیوب تصور کرتے ہیں۔یعنی دونوں میں یکسانیت مقدمہ نگاری کی سہل انگاری کی نشاندہی کرتی ہے۔ان کے لکھے گئے مقدموں یا پیش لفظ میں کہیں بھی یکسانیت کا احساس نہیں ہوتا ہے۔اس طرح ہر پیش لفظ یا ہر مقدمہ میں تنوع بھی ہوتا ہے اور اس میں تحلیل نفسی،ساختیات،پس ساختیات،ردِ تشکیل وغیرہ کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔

مختصراً کہا جائے تو زیرِ نظر کتاب مقدمہ نگاری کے باب میں ایک ایسی دستاویز ہے جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔اس کے مطالعہ سے بصیرت و بصارت کے در بھی وا ہوتے ہیں اور فکر و خیال کے نئے نئے چراغ بھی ضو پاشیاں کرتے نظر آتے ہیں۔یہ صحیح معنوں میں یہ ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو یقیناً ادبی حلقوں میں اپنے دیرپا اثرات مرتسم کرے گی۔۵۰۷ صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے پانچ سو روپے اور مصنف کا پتہ ہے:

کرامت علی کرامت۔رحمت علی بلڈنگ۔دیوان بازار۔کٹک۔753001(اڈیشا)

**کتاب کا نام؛۔مختار شمیم:آئینہ در آئینہ**

**(تبصروں،تجزیوں اور مضامین کا مجموعہ)**

**مرتبہ؛۔ڈاکٹر سیفی سرونجی اور محمود ملک مبصر:عبدالمتین جامی**

بطور صحافی ڈاکٹر سیفی سرونجی ایک معروف نام ہے جن کی ادارت میں ایک ادبی رسالہ ''انتساب'' بڑے قاعدے سے شائع ہو رہا ہے۔ان کی ادبی فتوحات

کے دائرے کوسمیٹنا مشکل امر ہے۔ بہر حال محمود ملک صاحب کے ساتھ مل کر انھوں نے مختار شمیم پر لکھے گئے تمام تبصرے، تجزیئے اور مضامین کو ترتیب وار شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ برسوں کے تجربوں کو بروئے کار لا کر انھوں نے اس کارِ خیر کو بخوبی انجام دیا ہے۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مختار شمیم فہمی کے لیے اس کتاب میں شامل تمام مضامین یقیناً معاون ہوں گے ۔ کتاب ھٰذا میں کل ۵۷ مضامین شامل ہیں ۔ اتنے سارے لکھنے والوں سے مضامین کو اکٹھا کرنا بڑے جوکھم کا کام تھا۔ اس دشوار کام کو سیفی سرونجی نے پایۂ تکمیل کو پہنچا کر ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔

مختار شمیم پر خامہ فرسائی کرنے والوں میں پروفیسر عنوان چشتی، ڈاکٹر فضل امام، کرامت علی کرامت، ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید، افتخار احمد صدیقی، ارتضیٰ کریم کے علاوہ سیفی سرونجی، سلیم انصاری، شارق عدیل، مخمور سعیدی، رام پرکاش راہی، وغیرہم کے مختصر یا تفصیلی مضامین میں مختار شمیم کی حیات وخدمات کے سبھی گوشے روشن نظر آتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ادبی منظر نامہ میں مختار شمیم نہ صرف ایک معروف شخصیت ہیں بلکہ انفرادی شان بھی رکھتے ہیں۔ بقول کرامت علی کرامت ''مختار شمیم صاحب کی شاعری میں سادگی میں پرکاری پائی جاتی ہے''۔

شمیم صاحب کے شعری مجموعہ نامۂ گل پر خیال کا اظہار کرتے ہوئی عنوان چشتی نے لکھا ہے۔ ''نامہ گل ایک ایسے شاعر کے شعری تجربوں کا پیکر ہے جس نے زندگی اور فن کے سفر میں وجود کے تجربے کو رہنما بنایا ہے اور اس کو بے کم وکاست پیش کر دیا ہے۔ اس کتاب سے ڈاکٹر قمر رئیس صاحب کے ایک اقتباس کا حوالہ دینے سے بھی مختار شمیم کی ادبی بصیرت سے آشنائی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ''غزل میں آپ نے اپنے آپ کو زیادہ ڈھونڈ پایا ہے۔'' اسی طرح عزیز اندوری، وقار واثقی، ڈاکٹر سلیمان اطہر جاوید صاحبان نے بڑے ہی پر اثر طور پر مختار صاحب کی کتابوں پر اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ باقی قلم کاروں نے موصوف کی شاعری نیز نثری تخلیقات پر مختصر مضامین لکھ کر موجودہ کتاب کی اہمیت میں اضافہ کیا ہے مختار شمیم فہمی کے لئے اس کتاب کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب ملنے کا پتہ ہے۔ ۲۸۶ر صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۳۰۰ر روپے۔ ذیل کے پتے سے اسے حاصل کر سکتے ہیں:
مختار شمیم۔ ۱۰ اکوئنس ہوم۔ احمد آباد پیلیس روڈ۔ کوہِ فضا۔ بھوپال ۴۶۲۰۰۱

**کتاب کا نام:۔ چراغ روشن ہیں (شعری مجموعہ)**

**شاعر کا نام:۔ سعید احسن مبصر:۔ عبدالمتین جامی**

مشاعروں میں اپنی آواز اور کلام سے ہزاروں سامعین کو گرویدہ بنانے والے سعید احسن کی جائے پیدائش شہر کٹک ہی ہے مگر سرِ دست جمشید پور (جھارکھنڈ) ان کا مستقر ہے۔ موصوف نہ صرف یہ کہ اچھے شاعر ہیں بلکہ اچھے نثار بھی ہیں۔ ان کا نثر کا نمونہ ''اظہارِ حقیقت میں لفظوں کی ضرورت کیا'' اس کا بین ثبوت ہے۔ اس کے مطالعہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مضمون نگاری میں بھی انھیں دسترس حاصل ہے۔ اس تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ۱۹۸۸ء میں غزل کہنے کی شروعات کی۔ والد محترم سعید اختر صاحب کہنہ مشق شاعر تھے۔ اس لئے رہنمائی میں کوتاہی نہیں ہوئی بہر حال ان کا پہلا شعری مجموعہ ''چراغ روشن ہیں'' ۱۹۱۹ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ کتاب کے آخر میں جن چند مشاہیرِ ادب کی آرا شامل ہیں ان کے اسمائے گرامی ہیں: ڈاکٹر کرامت علی کرامت، منور رانا، اسلم بدر، احمد بدر، سعید رحمانی، عبدالوحید اور خاور نقیب۔ اسلم بدر اور احمد بدر وغیرہم نے تفصیلی مضامین بھی لکھے ہیں جو اسی کتاب میں شامل ہیں۔ سبھوں نے اعتراف کیا ہے کہ سعید احسن قادر الکلام شاعر ہیں۔ احمد بدر کہتے ہیں کہ سعید احسن کے لب و لہجے کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کا عام فہم ہونا ہے۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے جسے سمجھنے کے لئے عالم فاضل ہونا ضروری نہیں۔ ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

بھلائی سوچتے کب ہیں سدا بیداد کرتے ہیں
وہ قسطوں میں ہمیشہ ہم کو ہی برباد کرتے ہیں
یہ دنیا وہ گناہوں کا سمندر ہے جہاں احسن
کبھی انسان خشکی پر بھی رہ کر ڈوب جاتا ہے
کوششیں موجوں سے لڑتے لڑتے تھک کر سو گئیں
ڈوبنے والے کی آنکھوں میں کنارہ رہ گیا

جن چند اشعار کے حوالے دیے گئے سعید احسن کے رجحانِ طبع اور عصری حسیت کا پتہ چلتا ہے۔۔ موصوف کے اس مجموعے میں بہت سارے ایسے اشعار بھی مل جائیں گے جو محض زندگی کی منفی پہلوؤں کو ہی نہیں مثبت پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتے ہیں ۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ آج کل شائع ہونے والے بے شمار مجموعوں کے درمیان ان کا یہ مجموعۂ کلام بلاشبہ نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور پوری امید ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔ شاعر کا پتہ ہے۔
۲۰۲۔ الف محل گاؤں، چیپاپُل۔ ذاکر نگر (ویسٹ) مانگو پارڈیہہ۔ جمشید پور۔ 831020

**کتاب کا نام: حرفِ تازہ (نظمیں)**

**شاعر:۔ اظہر نیّر: مبصر: عبدالمتین جامی**

اظہر نیّر اردو کے ایک معروف شاعر ہیں۔ ان کے نام نامی سے ناواقفیت اردو ادب وزبان سے ناواقفیت کے مصداق ہے ۔ عصری تناظر میں اردو زبان وادب نیز رسائل سے واقفیت رکھنے والے احباب ان سے بخوبی واقف ہیں۔ پچھلی چار پانچ دہائیوں سے وہ خامہ فرسائی کر رہے ہیں ۔ ان کی تخلیقات ملک اور بیرونِ ملک کے اخبارات ورسائل کی زینت بنتی رہتی ہیں۔ ان کے دو مجموعے سایے ببول کے اور سایے سایے دھوپ منظرِ عام پر آ کر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ حرفِ تازہ ان کا تازہ ترین مجموعہ ہے جو محکمہ کابینہ سکریٹریٹ حکومت بہار کے مالی تعاون سے شائع ہوا ہے کتاب دیدہ زیب اور عمدہ کتابت وطباعت سے آراستہ ہونے کے علاوہ خوبصورت جلد سے مزین ہے ۔ اس میں نظمیں، آزاد غزلیں، تروینی، ماہیے، ہائیکو، سہرا اور رخصتی، وغیرہ جیسی اصنافِ سخن شامل ہیں۔

اظہر نیر افسانہ نویس بھی ہیں ۔ ان کے بیشتر افسانے وافسانچے وغیرہ

ہندوپاک کے کئی رسائل کی زینت بن چکے ہیں۔لیکن اب تک ان افسانوں کو مجموعے کی شکل انھوں نے نہیں دی ہے۔بہر کیف ان کے افسانے اور افسانچے نہایت دل چسپ ہوتے ہیں اور سماج کے روبرو چند سوالات بھی کھڑے کردیتے ہیں۔

موصوف نے زیرِ نظر کتاب میں حرف آغاز کے تحت مختصر پیش لفظ بھی لکھا ہے۔جس میں انہوں نے اپنے تمام کرم فرماؤں کے تذکرہ کے ساتھ ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔اس کے علاوہ پروفیسر علامہ نادم بلخی (مرحوم) اور سید سجاد بخاری کے مضامین بھی ہیں جن سے اظہر نیر کے فکروفن کی واضح تصویر سامنے آجاتی ہے۔

اس مجموعہ میں ان کی کل ۹۰ نظمیں، ۱۴ تروینی، ۴۸ ماہیے، ۶۷ ہائیکوز اور ۴ سہرے ور خصتی شامل ہیں۔

آخری صفحات میں انور آفاقی، ڈاکٹر احسان عالم، ڈاکٹر منصور خوشتر وغیرہم کے مضامین بھی شامل ہوئے ہیں جو اظہر نیر کی شعری وادبی بصیرت پر روشنی ڈالتے ہیں۔بہر کیف یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔۲۵۰ روپیوں کے عوض اسے ذیل کے پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

نوری اردو مرکز ولائبریری۔برہولیا۔کنسی سمری۔دربھنگہ۔۸۴۷۱۰۶ (بہار)

### کتاب کا نام:۔کشکولِ اردوادب (انتقادواد بیات اور نثری منظومات)

**مصنف:۔محمد مطیع اللہ نازش　　مبصر:۔سعید رحمانی**

اڈیشا کے ادبی منظر نامہ میں مولوی محمد مطیع اللہ نازش ایک ہمہ جہت قلم کار کی حیثیت سے منفرد شناخت رکھتے ہیں۔اردو کے علاوہ اڑیا اور انگریزی زبانوں پر بھی انہیں دسترس حاصل ہے۔شعروادب، نقد وتحقیق، ترجمہ نگاری اور صحافت کے میدان میں انہوں نے جوگراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ ادب کا حصہ بنی رہیں گی۔

ادبی خدمات کے اعتراف میں اڈیشا سوابھیمان منچ کٹک، سما انسٹی ٹیوٹ بھوبنیشور، مائنارٹی کمیونیٹی کٹک، نجمی اکاڈمی کٹک، ماہنامہ صدائے اڑیسہ اور دیگر کچھ ادارے انہیں سند اعزاز اور ایوارڈ سے نواز چکے ہیں۔آل اڈیشا ٹیچرس ایسو سی ایشن اور اڈیشا اردو اکاڈمی کی بنیاد گزاروں میں شامل رہ چکے ہیں۔اس کے علاوہ اڈیشا اسٹیٹ حج کمیٹی، بورڈ آف مدرسہ ایجوکیشن اور جمیۃ العلماء اڈیشا کے نائب صدر کی حیثیت سے بھی ان کی وابستگی رہی ہے۔بطور مترجم اڑیا کے چند درسی کتابوں کا ترجمہ بھی کرچکے ہیں۔موصوف کے یہ کارنامے بلاشبہہ لائقِ تحسین ہیں۔

اردو اور اڑیا زبانوں پہ مشتمل ان کی ایک کتاب ''ہدایاتِ حج'' شائع ہو کر مقبول ہوچکی ہے۔اس کے علاوہ نقد وتحقیق، اڈیشا میں اردو نثر نگاری اور اسلامی عمرانیات پر ان کی جو کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کے نام ہیں ''عکسِ بصیرت'' ''عکسِ تہذیب' عکسِ معاشرہ' 'اڈیشا میں اردو نثر نگاری''۔

زیرِ نظر کتاب ''کشکولِ اردوادب'' انتقاد ادبیات اور نثری منظومات پر مشتمل ہے۔اس کا پیش لفظ اڈیشا کے معروف قلمکار عبدالمتین جامی صاحب کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔جب کہ ڈاکٹر کرامت علی کرامت اور علیم صبا نویدی کی تقریظات فلیپ پر درج ہیں۔اس میں کل ۲۴ مضامین شامل ہیں اور آخر میں نثری منظومات ہیں۔یہ کتاب ''عکسِ بصیرت'' فاضل اردو اور یونیورسٹی کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ان میں سے بیشتر مضامین اندرون اور بیرون اڈیشا منعقد ہونے والے سمیناروں اور کانفرنسوں میں پیش کئے جاچکے ہیں۔ان مضامین میں انشائیوں، ادبی تاریخ، ترقی پسند تحریک، دفیات نگاری، سفرناموں، سوانح عمری، خودنوشت، آپ بیتی، اردو کے فروغ میں مدارس دینیہ کا کردار، ترجمہ نگاری، آزادی کے بعد اڈیشا میں اردو شاعری، اصنافِ سخن، مزاح نگاری، دوہا نگاری، قومی یکجہتی، اردو کا مستقبل، اڈیشا میں اردو کے تعلیمی مسائل جیسے موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب کا دوسرا حصہ ''مخزنِ اردوادب'' کے عنوان سے زیرِ ترتیب ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب بھی بہت جلد آپ کے ہاتھوں میں ہوگی۔

کیفیت وکمیت کے اعتبار سے ''کشکولِ اردوادب' بلاشبہہ ایک اہم تصنیف ہے جس کے مطالعہ سے بصیرت وبصارت کے درواہوتے ہیں۔بقول علیم صبا نویدی ''کشکولِ اردوادب کے کشکول میں اردوادب کے کئی انمول رتن کی مختلف نثری اور شعری اصناف سے متعلق سیر حاصل معلومات کا گنجینہ چھپا ہوا ہے''۔

ڈاکٹر کرامت علی کرامت رقم طراز ہیں، ''کشکولِ اردو ادب'' میں بہت سے ادبی اور لسانی موضوعات پر مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔ان میں سے بعض مضامین ایسے ہیں جنہیں وسعت دے کر لکھا جائے تو پی ایچ ڈی کے مقالوں کی شکل اختیار کرلیں۔مطیع اللہ نازش کوزے میں سمندر کو سمونے کے فن سے اچھی طرح واقف ہیں''۔جو دیگر مشاہیر ادب اس کتاب کی افادیت کا اعتراف کرچکے ہیں ان میں سے چند نام ہیں: ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری، غلام نبی خیال (کشمیر)' ڈاکٹر قمر الدین خاں، ڈاکٹر سید زین الدین (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) وغیرہ۔

مختصراً کہا جائے تو یہ کتاب مفید معلومات کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جس سے آنے والی نسلیں استفادہ کرتی رہیں گی۔اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کتاب ریسرچ اسکالروں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوسکتی ہے۔۳۸۴ صفحات کو محیط اس ضخیم کتاب کی قیمت ہے چار سو روپے اور اسے حاصل کرنے کے لئے ذیل کے پتے سے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔آزاد میموریل پبلی کیشنز۔دارالسلام۔

ڈی۔۲۰۳۔سیکٹر ۶۔مرکت نگر۔سی ڈی اے۔کٹک۔۷۵۳۰۱۴ (اڈیشا)

### کتاب کا نام:۔ایک داغ نہاں اور (افسانوی مجموعہ)

**افسانہ نگار:۔اقبال سلیم　　مبصر:۔سعید رحمانی**

اقبال سلیم اپنی خرابی صحت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرپائے۔اس کے باوجود انھیں اردو زبان پر اچھی گرفت حاصل ہے جسے کثرتِ مطالعہ کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔قصے کہانیاں سننے سنانے کا انہیں بے حد شوق تھا۔پھر انہوں نے ناولوں اور افسانوں کا مطالعہ بھی کثرت سے کیا جس کے سبب کہانیاں لکھنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔اس کے نتیجے میں زیرِ نظر کتاب ''ایک داغِ نہاں اور'' کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

اس کتاب میں کل دس افسانے ہیں جن میں نفسیاتی، اخلاقی، معاشرتی اور سماجی حالات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔جس افسانے کو کتاب کا

سرنامہ بنایا گیا ہے، وہ ایک تکون میں گردش کرتا نظر آتا ہے۔اس کے خاص کردار ہیں اوشا، پرکاش اور سدھارتھ۔ پہلے پرکاش اوشا کو شادی کی تجویز پیش کرتا ہے مگر اوشا ٹھکرا دیتی ہے کیونکہ وہ ایک بے کار نوجوان تھا۔ پھر ریئل اسٹیٹ کے مالک کا اوباش لڑکا اس پر ڈورے ڈالتا ہے مگر اوشا اس سے خود کو بچالیتی ہے۔ پھر ٹرین میں گھر واپسی کے وقت اس کی ملاقات سدھارتھ سے ہوتی ہے تو اسے زندگی کا ہم سفر بنانے کے لئے تیار ہو جاتی ہے مگر اس وقت تک سدھارتھ کی شادی ہو چکی تھی۔اس طرح اوشا کے دل کے داغ میں ایک اور داغ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ بہ االفاظِ دیگر نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم۔

ایک دوسرے افسانہ ’’آرزو کی زنجیر‘‘ میں ایک ایسے آدمی کا کردار ہے جس کی بیوی تین لڑکوں کو جنم دیتی ہے مگر لڑکی جنم نہ دینے پر وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور گھر سے نکال دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ جب چوتھی بار وہ حمل سے ٹھہرتی ہے تو یہ سوچ کر کہ کہیں لڑکا نہ ہو اس لئے زہر کھالیتی ہے۔ ہسپتال میں آپریشن کے بعد جس بچے کی پیدائش ہوتی ہے وہ لڑکی تھی مگر اسے دیکھنے کے لئے ماں زندہ نہیں رہتی ہے۔

اسی طرح دوسرے افسانے بھی معاشرے کی گتھیاں کھولتے نظر آتے ہیں۔ یہ سبھی افسانے بیانیہ انداز میں لکھے گئے ہیں اس لئے کہیں بھی ترسیل اور ابلاغ کا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا ہے۔ان میں کہانی ، پلاٹ ، کردار اور منظر نگاری کے ساتھ جذبات کی کسک اور احساسات کی لچک بھی شامل ہے ۔ساتھ ہی معاشیات ، اقتصادیات، جنسیات اور نفسیات کی برملا منظر کشی سے ان افسانوں کی افادیت اور بھی بڑھ گئی ہے ۔سلاست زبان و بیان کے ساتھ ان کی کہانیوں کا پہلا پیرا گراف پڑھتے ہی جلد سے جلد اختتام تک پہنچنے کی خواہش قاری کے دل میں ہوتی ہے۔ان افسانوں میں کہیں کہیں سسپنس بھی ہے اور انجام چونکا دینے والا ہوتا ہے۔افسانہ ’’آرزو کی زنجیر‘‘ کو اس ذیل میں رکھ سکتے ہیں۔

بہر حال یہ سبھی افسانے نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ معاشرے کو مثبت پیغام بھی دیتے ہیں۔امید ہے کہ افسانوں کا یہ مجموعہ فکشن سے دلچسپی رکھنے والوں کو پسند آئے گا۔۱۹۰ صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے ۲۵۰ روپے ہے اور افسانہ نگار کا پتہ ہے۔

IqbalSaleem.97-Aiwan-e-Tahera.8th-Cross-4th Main
G-H-B-C-S Layout.Banglore-560078

## کتاب کا نام؛۔رباعیاتِ نور (نعتیہ رباعیات)
## شاعر؛۔محمد نورالحسن نورنوابی عزیزی مبصر؛۔عبدالمتین جامی

شعری مجموعہ ’’رباعیاتِ نور‘‘ کے خالق محمد نورالحسن نور نوابی محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔قبل ازیں ان کی غزلوں کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔رباعی گوئی کا فن کوئی کارِ طفلاں نہیں ہے۔ برسوں کی ریاضت کے بعد اس فن پر عبور حاصل ہوتا ہے۔اس کتاب میں ان کے ۳۹۴ رباعیات شامل ہیں۔خوشی کی بات ہے کہ ایک بھی ایسی رباعی نظر نہیں آئی جو رباعیوں کے متعینہ اوزان سے ہٹ کر ہو۔

ابتدا میں ’’رباعیاتِ نور ایک جائزہ‘‘ کے عنوان سے قدرے طویل مضمون یاور وارثی صاحب نے لکھا ہے۔نور نوابی صاحب کی رباعیوں کے تعلق سے ان کا ایک مبسوط مضمون شامل ہے۔اس مضمون میں رباعیات کے مخصوص اوزان کا حوالہ دیا ہے جو کہ نومشق شاعروں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے۔اس طرح انہوں نے رباعی کے مخصوص کسی بھی وزن کو ایک ہی رباعی کے چاروں مصاریع میں برتنے کی سند بھی دے دی جو کہ بالکل حق بجانب ہے۔اردو کے مشہور ناقد و شاعر شمس الرحمٰن فاروقی‘ ناوک حمزہ پوری کے علاوہ اسلم حنیف نے بھی ۲۴ اوزان میں چھ چھ رباعیاں کہہ کر مختلف رسائل میں شائع کرائے ہیں۔ بہر حال مختلف اوزان پر طبع آزمائی کرنے والے نور صاحب کے اس مجموعۂ رباعیات میں ایسی بہت سی رباعیاں پائی جاتی ہیں جو مختلف اوزان میں کہی گئی ہیں ۔یہ سبھی رباعیاں لائقِ تحسین ہیں۔خصوصاً نعتیہ رباعیاں پڑھنے سے ایک طرح کے کیف و سرور کا احساس ہوتا ہے۔
مثلاً مختلف اوزان میں نور صاحب کی اس رباعی کو لیجئے

مفعولن فاعلن مفاعیل فعل..........جذباتِ شکر سے میں معمور ہوا
مفعولن مفعولن مفعول فعل............میں بھی مرا دل بھی مسرور ہوا
مفعولن مفعولن مفعول فعول..........اے یادِ طیبہ تو جب آئی قریب
مفعولن فاعلن مفعول فعل............ میرا ہر رنج وغم کا فور ہوا

ظاہر ہے اس رباعی میں متعینہ چار اوزان استعمال ہوئے ہیں جس سے اس فن ان کے مکمل عبور کا پتہ چلتا ہے۔اس کامیاب رباعی کے لیے مبارکباد۔نور نوابی عزیزی صاحب قابل صد احترام اور قابل تحسین فنکار ہیں اور جن کے اشہبِ قلم سے نکلا ہر حرف اعتبار کا درجہ رکھتا ہے۔نعت پاک جیسی تقدیسی صنف میں یہ رباعی بہر طور سراہے جانے کے لائق ہے۔۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ کتاب کے ملنے کا پتہ ہے:۔آستانۂ عالیہ نوابیہ۔قاضی پور شریف۔پوسٹ،منڈوہ۔ضلع فتح پور ہسوہ۔۲۱۲۶۵۳

## کتاب کا نام؛۔سخن زار (غزلیات).
## شاعر؛۔محمد سید نورالحسن نورنوابی عزیزی مبصر؛۔عبدالمتین جامی

شعری مجموعہ ’’سخن زار‘‘ کے خالق سید نورالحسن نور صاحب کا یہ تازہ ترین مجموعہ غزلوں پر مشتمل ہے۔اس میں کل ۱۱۹/غزلیں شامل ہیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر غزل میں صرف پانچ اشعار کا التزام رکھا گیا ہے۔

کتاب کے آخری صفحہ میں یاور وارثی عزیزی کا ایک مختصر سا مضموں شامل ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ پانچ اشعار پر مشتمل غزلوں کے اس مجموعے کو میں تجربے کا نام دوں گا۔ کیونکہ نور صاحب کے پچھلے مجموعوں کی غزلوں کے اشعار کسی میں نو، کسی میں گیارہ اور تیرہ اشعار تک غزلیں ہیں۔لیکن سخن زار میں انھوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو روبکار لاتے ہویے پانچ اشعار میں سمیٹ کر غزل مکمل کی ہے۔اس لئے یہ مجموعہ دیگر مجموعوں کے درمیان ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاعری میں محبوب بازاری اور ہے اور گھریلو محبوب اور۔اس لیے شاعر اپنے محبوب سے گفتگو کرتے ہوئے ذات

سے کائنات تک کا سفر کرتا نظر آتا ہے۔جدید شاعر موجودات کو تحیر و تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے'اس کا بغور مطالعہ کرتا ہے اور اپنے تجربات واحساسات کو نذر قرطاس کرتا ہے۔تلمیحات کے سہارے شعر تخلیق کرنا کار سہل نہیں ہے۔اس میں چند شعرا ہی کامیابی سے ہمکنار ہو پاتے ہیں۔اور انہیں شعراء میں نور صاحب کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ان کے کلام میں گہرائی اور گیرائی ہے ساتھ ساتھ خوبصورت استعارات وکنایات کا برملا استعمال بھی ہوا ہےنیز یہ کہ ان کے بیشتر اشعار ہمیں ہمیشہ دعوت فکر دیتے ہیں۔مثالاً دو تین اشعار ملاحظہ فرمائیں:

بے ثباتی کی خبر لے کے صدا آتی ہے۔اک دریچے سے مگر اب بھی ہوا آتی ہے

اپنی آنکھوں میں جلالوں گا امیدوں کے دیے۔ راستہ روک بھی لے گا جو اندھیرا ابھی کوئی

یہ اشعار رجائیت کے مظہر ہیں۔اب یہ پہلو مابعد جدید دور کے شاعروں میں مفقود نظر آتا ہے۔مجموعی طور پر زیرِ نظر مجموعہ قاری کو ایک نئے ذائقے سے روشناس کرتا ہے۔امید واثق ہے کہ خوشدلی اسی اس کی پذیرائی کی جایے گی۔ذیل کے پتے سے اسے حاصل کیا جاسکتا ہے: آستانۂ عالیہ نوابیہ۔قاضی پور شریف۔پوسٹ،منڈوہ۔ضلع فتح پور ہسوہ۔۲۱۲۶۵۳

**کتاب کا نام:۔پئے تفہیم (شعری مجموعہ).**

**مصنف:۔مظہر وسطوی مبصر:۔محسن عظیم انصاری**

اردو قلعہ کے سرائے دار باشی مظاہر حسن مظہر وسطوی کا اولین شعری مجموعہ'پئے تفہیم' ان کی آٹھ برس کی محنت شاقہ کا نتیجہ وثمرہ ہے۔'حرف ابتدا' میں وہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پہلی غزل سولہ برس کی عمر میں کہی تھی۔آسنسول کے معروف شاعر محبوب انور اور قوس صدیقی کے تلمیذ خاص رہے۔ان کے اس مجموعے پر ڈاکٹر کامران غنی، ڈاکٹر بدر محمدی، نذر الاسلام نظمی اور ڈاکٹر عطا عابدی نے اپنے خیالات وتاثرات قلم بند کئے ہیں۔عطا عابدی نے بجا فرمایا ہے کہ'مظہر وسطوی کے یہاں ذات وکائنات کے بنیادی حوالے ترجیحی نوعیت رکھتے ہیں۔'

آسماں زادوں کو معلوم کہاں ہے مظہر۔ہم زمیں زادے ہیں واقف ہیں کہ صحرا کیا ہے

دل میں رہیئے کہ جگر میں کہ نظر میں رہیئے

آپ کے ہی سبھی گھر ہیں کسی گھر میں رہیئے

ایک حمد، دو نعتیں، پینسٹھ غزلیات اور سات دیگر ترنیمات (Poems) پر مبنی یہ مجموعہ مظہر وسطوی کا قلقلۂ ذہن ودل وجان ہے۔

کیوں اُس پہ بھروسہ نہ ہوا ے منکرِ یزداں۔ میرا ہی نہیں،سب کا مددگار وہی ہے

مکمل عرش حیراں ہے عروجِ خاکِ آدم سے

کوئی کون ومکاں کے پار جاکر شب گزار آیا

غزل وادی میں جب ہم سیر کرتے ہیں،تو نئے لفظ بوٹے اور حرف پھول ملتے ہیں۔

اس کے چہرے سے ہے شکن جو عیاں۔ مجھ کو لگتا ہے دردرات کا ہے

جو اخلاق اچھے تمہارے ہیں مظہر۔تمہاری کبھی بھی نہ رسوائی ہوگی

عجب عالم ہے اِس دل کا، عجب عالم ہے اُس دل کا

زباں خاموش رہتی ہے، نگاہیں بات کرتی ہیں

مظہر وسطوی نے آسان زبان، آسان انداز اختیار کیا ہے۔سہل ممتنع اپنے عروج پر ہے۔غزلوں کی صورت گری کا فن، انہیں خوب آتا ہے۔اشعار میں کوزہ پشتی نہیں ہے۔اپنی طرح کی ذاتی روانی کی کارفرمائی ملتی ہے۔کلام میں ابہام نہیں۔سباق میں سیاق اچھی طرح بجیل ہے۔اشعار میں دبستان لکھنؤ کی ژندبافی محسوس ہوتی ہے۔

اس قدر رنا راضگی اچھی نہیں۔یوں سرِ بازار مت رسوا کریں

ترنیمیں (poems) اردو، بیٹی ادیبہ، کلیم عاجز، شمیم فاروقی، محبوب انور کے ساتھ ہی پرندہ اور حجاج پر ہیں۔کاوشیں اچھی ہیں۔کتاب اچھے کاغذ پر ہے۔مظہر وسطوی کے لئے صدہا نیک تمنائیں۔182 صفحات کو محیط اس کتاب کی قیمت ہے 175 روپے اور رابطہ۔موبائل نمبر۔9451300431

☆☆☆

ادبی وثقافتی خبروں کا بقیہ

## پروفیسر کرامت علی کرامت کے سانحۂ ارتحال پر بھدرک میں ایک تعزیتی جلسہ ومشاعرہ

محمد حنیف میموریل لائبریری کی جانب سے گزشتہ ۲۰/اگست ۲۰۲۲ء کو مدینہ میدان ہال بھدرک میں ایک تعزیتی اجلاس بیادِ پروفیسر کرامت علی کرامت منعقد ہوا جس میں محبانِ اردو نے مرحوم کے تعلق سے اپنے تاثرات پیش کیے۔اس کے بعد مشاعرہ ہوا جس کی صدارت بھدرک کے کہنہ مشق شاعر الطاف نادر صاحب نے فرمائی جبکہ نظامت کے فرائض خاور نقیب نے بحسن وخوبی انجام دیے۔اس جلسے میں مرحوم کے عقیدت مندوں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

محمد حنیف میموریل لائبریری کے جن فعال ممبران نے اس جلسے کا انتظام وانصرام کیا تھا ان کے اسمائے گرامی ہیں: سلیمان شمسی' اکرم علی اکرم' علیم الدین بیکس' عارف محمد عارف' عبدالواحد' جعفر دانش۔تعزیتی کلام پیش کرنے والے شعرا کے اسمائے گرامی ہیں: الطاف نادر' نفیس دسنوی' قطب کامران (فرزند کرامت علی کرامت)' نور الٰہی ناطق' خاور نقیب' سمیع الحق شاکر' مختار راہی' عبدالدیان ضیا' مختار نسیم' معین شفق۔جعفر دانش صاحب کے کلماتِ تشکر کے ساتھ یہ جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

☆☆☆

مصرعِ طرح ''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے'' پر غزلیں پیش ہیں۔ اگلے شمارے کے لیے طرح نوٹ فرمائیں: ''وہ کس سے میں ہمیں سوگوار چھوڑ گئے'' (شاعر۔اختر شیرانی) قوافی: سوگوار، یادگار، اشکبار وغیرہ ردیف: چھوڑ گئے۔ پانچ اشعار پر مشتمل آپ کی طرحی غزل ۱۵/اگست ۲۰۲۲ء کے اندر ہمیں مل جانی چاہیے۔ رسالہ اگر تاخیر سے ملے تو وصول یابی کے ایک ہفتے کے اندر ارسال کر سکتے ہیں۔ (ادارہ)

## تنویر پھولؔ (امریکہ)

Mob-001 518221 7060

نحن واقرب[۱] جو پڑھی دل مرا آرم سے ہے<br>ربطِ انفاس کا اللہ کے پیغام سے ہے

چھوڑ کر جائیں کہاں ہستی کا اس پر ہے مدار<br>واسطہ اپنا ہمیشہ دلِ ناکام سے ہے

رازِ ہستی کو سمجھ سکتا نہیں تو ناداں<br>دل ترا آشنا آغاز نہ انجام سے ہے

رات کا پچھلا پہر آگیا دل ہے مایوس<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے''

پھولؔ کے دل میں ضیا بار چراغِ لالہ<br>دل کو یک گونہ تعلق بتِ گلفام سے ہے

[۱] سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۱۷۲

## زاہد کونچوی (جھانسی)

Mob-9415950514

مجھ کو شہرت کی تمنا نہ غرض نام سے ہے<br>میری نسبت تو زمانے میں فقط کام سے ہے

وقت کے ساتھ بدلنے کا سلیقہ ہے جسے<br>بس وہی آدمی اس دور میں آرام سے ہے

اس کا کردار یقیناً بہت اچھا ہوگا<br>خوف جس شخص کو اعمال کے انجام سے ہے

کیا سبب ہے ترے ہونٹوں سے ہنسی ہے غائب<br>کیوں اداسی ترے چہرے پہ سرِ شام سے ہے

چین اب دل کو میسر ہی کہاں ہے زاہد<br>رات دن جنگ ہماری نئے آلام سے ہے

## محمد باعشن مغموم (کولکاتا)

Mob-9875361924

صبح کو دھوپ سے ہے اور نہ کسی شام سے ہے<br>میری سانسوں کا تعلق ترے پیغام سے ہے

جانے کس وقت بجھا دے یہ ہوا کا جھونکا<br>ٹمٹماتا جو دیا ایک سرِ شام سے ہے

زندگی جیسی تغیر کی کہانی ہر دن<br>کل جو تکلیف میں تھا آج وہ آرام سے ہے

اور کچھ فکر نہ پرواہ کسی کی کوئی<br>دل یہ وابستہ ابھی تک ترے آلام سے ہے

یہ سعادت بھی بہت ہے مرے حق میں مغمومؔ<br>نام اس شوخ کا منسوب مرے نام سے ہے

## نظام مجھولیاوی (مظفر پور بہار)

Mob-9973047938

مال و دولت سے نہ شہرت سے، کسی کام سے ہے<br>قدر انساں کی حقیقت میں بڑے کام سے ہے

حق بیانی کا سبق وعظ میں رکھیے واعظ<br>قومی بہبود حقیقت بھرے پیغام سے ہے

تیری نسبت کا یہ ثمرہ ہے مری جانِ غزل<br>تیرا شیدائی سکوں چین سے آرام سے ہے

میں نے پھولوں سے سجا رکھا ہے اپنے گھر کو<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے''

سب کے سب آج ہیں شہرت کے طلب گار نظام<br>پیار اب کس کو بھلا شاعرِ گمنام سے ہے

## نظام جلالپوری (مظفر پور)

Mob-9199874010

کام سے کام رکھو تم کو غرض کام سے ہے<br>کس لیے تم کو عداوت یہ مرے نام سے ہے

رابطہ منقطع جس دن سے کیا ہے تم نے<br>تب سے رشتہ مرا رنج و غم و آلام سے ہے

میری نظریں ہیں ٹکی راہ گزر پر کب سے<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے''

اک جھلک دیکھنے محبوب کی نیت لے کر<br>وہ لگا بیٹھا ہوا اب بھی لبِ بام سے ہے

ہے عبث اپنے مقدر سے شکایت اے نظام<br>تیرا یہ حال تو تیرے غلط اقدام سے ہے

## عبدالمجید فیضی (سمبلپور)

Mob-9778291038

واسطہ سبز پری سے ہے نہ گلفام سے ہے<br>دل کو وابستگی اے دوست ترے نام سے ہے

آپ کو جانِ وفا کام تو بس کام سے ہے<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے

جھلملاتے ہوئے تارے ترے جھمکوں سے لگے<br>ٹکٹکی باندھے نظر سوئے فلک شام سے ہے

نیائے وچت' ستیہ ورت نیتا ہیں' دھرماتما ہیں<br>مودی جی کو تو سدا نشہ چتر دھام سے ہے

مے کے پیالوں سی نظر آتی ہیں آنکھیں کس کی<br>فیضیؔ اب کس کو غرض ساقئ گلفام سے ہے

## سید خادمِ رسول عینی (حیدرآباد)

Mob-9527865833

جو جفاکش ہے سکوں اس کو بہت کام سے ہے<br>اس کو دشواری غمِ زیست میں آرام سے ہے

رات کٹتی ہی نہیں آپ کے جلووں کے بغیر<br>''انتظار آپ کی آمد کا سر شام سے ہے''

سورج اور چاند کی سرگرمیوں سے سیکھ سبق<br>ان کو مطلب تو شب و روز فقط کام سے ہے

پانی بندوں کے لیے دے کے چلے جاتے ہیں<br>بادلوں کو کبھی دل چسپی کہاں نام سے ہے

ملک میں کون ہے عینیؔ بتاؤ ذمہ دار<br>اب پریشانی ہمیں اشیا کی جو دام سے ہے

## عظمت علی عظمتؔ (کرنول)

Mob-9866792509

مجھ کو نسبت ہے کسی سے نہ کسی کام سے ہے<br>ہے محبت تو مجھے آپ ہی کے نام سے ہے

سچ کی راہوں میں چلا کرتے ہیں ہم لوگ سدا<br>رابطہ اپنا فقط مذہبِ اسلام سے ہے

جو بدلتے ہوئے حالات سے گھبراتے ہیں<br>خوف ان کو تو سدا گردشِ ایام سے ہے

ایک مدت سے میں بیٹھا ہوں بچھا کر آنکھیں<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے''

خدمتِ خلق مرا شیوہ ہے عظمتؔ سن لو<br>نہ صلہ کی ہے تمنا نہ تو انعام سے ہے

## احقر القادری تیغی (مظفر پور)

Mob-7366854786

گلشنِ حسنِ بہاراں نہ تو گلفام سے ہے<br>اپنی پہچان تو بس آپ ہی کے نام سے ہے

کیوں نہیں میری طبیعت میں افاقہ ہوگا<br>جب کہ خوشبو وہ ملی مجھ کو در و بام سے ہے

صرف پلکیں ہی نہیں دل ہے بچھا راہوں میں<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے''

تیرے عاشق نے ترے نام سے راحت پائی<br>تیری نسبت کی بدولت بڑے آرام سے ہے

فاصلہ رکھتا ہوں میں اس سے ہمیشہ اخترؔ<br>واسطہ جس کا یہاں کوئی غلط کام سے ہے

## صابر کاغذنگری (تلنگانہ)

Mob-9973047938

ابتدا کام کی منسوب ترے نام سے ہے<br>یا الٰہی تو ہی واقف مرے ہر کام سے ہے

مطمئن کیوں نہیں اس کارِ جہاں سے کوئی<br>سب کو شکوہ تو یہاں گردشِ ایام سے ہے

قوم و ملت ہے تباہی کے دہانے پہ کھڑی<br>رہنما اپنے حویلی میں تو آرام سے ہے

آئیے رات سجا لیں گے سخن کی محفل<br>''انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے

شعر گوئی کا سلیقہ جو ہے تجھ میں صابرؔ<br>شکر صد شکر وہ اللہ کے الہام سے ہے

### تنویر پھول (امریکہ)
Mob-+15182217060

"نحن واقرب" جو پڑھی دل مرا آرام سے ہے
ربط انفاس کا اللہ کے پیغام سے ہے

چھوڑ کر جائیں کہاں بستی کا اس پر ہے مدار
واسطہ اپنا ہمیشہ دل، ناکام سے ہے

رازِ ہستی کو سمجھ سکتا نہیں تو ناداں
دل ترا آشنا آغاز نہ انجام سے ہے

راتِ کا پچھلا پہر آ گیا دل ہے مایوس
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

پھولؔ کے دل میں ضیابار چراغِ لالہ
دل کو یک گونہ تعلق بتِ گلفام سے ہے

### عزیز تنویر کوٹوی (اجمیر)
Mob-7976504119

ابتدا زیست سے موت انتہا دوام سے ہے
رشتہ باہم یوں ہر آغاز کا انجام سے ہے

مشرکوں کو تو فقط بغض ترے نام سے ہے
کفر کو دشمنی بس عالمِ اسلام سے ہے

ذاتِ واحد ہے وہ للہ عظیم و برتر
رب کی یہ شان عیاں قرآن کے پیام سے ہے

رہِ جناب میں روشن کیے دیے یوں کہ
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

ہیں آج دست و گریباں یہ اہلِ دیر و حرم
سوال میرا یہ تنویر خاص و عام سے ہے

### محمد ممتاز شعور (سمبلپور، اڈیشا)
Mob-6370768671

میں تو گمنام تھا ہستی میری ناکام سے ہے
میری شہرت تو زمانے میں ترے نام سے ہے

یہ الگ بات کہ آیے ہیں بہت رات گئے
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

تیرے جانے سے پریشانی بہت ہے مجھ کو
مت سمجھ یہ کہ مرا دل بڑے آرام سے ہے

بس اسی بات پہ جلتے ہیں مرے یار سبھی
میرا رشتہ بڑا گہرا کسی گلفام سے ہے

شاعری سے ہے شعور اپنا علاقہ لیکن
مجھ کو اعزاز سے مطلب ہے نہ انعام سے ہے

### حمید عکسی (ورنگل تلنگانہ)
Mob-9000719016

میرا ہر کام میرے مولا ہی کے نام سے ہے
ورد جاری مرا ہر صبح ہر اک شام سے ہے

بچ کے رہتا ہوں برائی کے ہر اک پھندے سے
میری تعریف میری نیکی کے ہر کام سے ہے

سب سے جو ملتا ہے اخلاص و محبت سے یہاں
وہ زمانے میں ہمیشہ بڑے آرام سے ہے

آپ سے ملنے کی خواہش ہے مرے دل میں بہت
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

ایک لمحے کا سکوں ملتا نہیں ہے عکسی
زندگی اپنی گزرتی بڑے آلام سے ہے

### محمد طفیل احمد حافظؔ (سمبلپور اڈیشا)
Mob-9337303079

یارو کیا کیجئے پھر کام تو بس کام سے ہے
پیڑ گننے سے رہے ہم کو غرض آم سے ہے

آپ کا وعدہ کہیں روزِ قیامت کا نہ ہو
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

نیک و بد آدمی پہچاننا مشکل ہے بہت
ہاں مگر خوبیٔ اخلاق سۓ انجام سے ہے

اپنے اعمال کا خود جائزہ لینا ہے ضرور
قولِ فیصل شہہِ کونین کے پیغام سے ہے

کام آتا ہے جو اوروں کے وہی ہے انساں
حافظ انسان برا اور بھلا کام سے ہے

### ڈاکٹر قیسی قمر نگریؔ (کرنول)
Mob-9912788376

ناہی پیمانے سے مطلب ہے نہ ہی جام سے ہے
کام بس ساقی کے اخلاق و اکرام سے ہے

اس کی فطرت میں شرافت نہیں پائی جاتی
واسطہ جس کا بھی ابلیس کے ہر کام سے ہے

ہم کو میدانِ سیاست سے نہیں کوئی غرض
واسطہ ہم کو ادب کے ہی ہر اک گام سے ہے

راہ میں پلکیں بچھایے ہوئے بیٹھے ہیں یہاں
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

اپنے اللہ پہ رکھتے ہیں بھروسہ قیسی
اپنا رشتہ تو فقط دامنِ اسلام سے ہے

### یونس عاصم (کٹک)
Mob-9090156995

زندگی مضطرب ہنگامۂ آلام سے ہے
کوئی بھی ایسا نہیں جو یہاں آرام سے ہے

تیری یادوں سے جو غافل نہیں رکھا اب تک
اس لیے پیار مجھے گردشِ ایام سے ہے

اس کی قربت کا طلب گار رہا کیوں برسوں
یہ شکایت مجھے اپنے دلِ ناکام سے ہے

آیئے آیئے ہم جشنِ چراغاں کرلیں
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

آگ نفرت کی اسی نے ہی لگائی عاصم
جس کے ہاتھوں میں علم ایکتا کے نام سے ہے

### عارف محمد عارفؔ (بھدرک اڈیشا)
Mob-7504136004

جا پے سب خاک میں بس اس کو غرض جام سے ہے
بے خبر آج مگر اپنے ہی انجام سے ہے

دیر کیوں ہوگئی آنے میں بتائیں تو سہی
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

حال کیا ہے میرا بیدرد صنم کیا جانے
زخم دے کر دے کر مجھے وہ تو بڑے آرام سے ہے

جب نگاہوں نے گوارا نہیں سمجھا مجھ کو
اور پھر آپ کو کیا کام مرے نام سے ہے

میں تھا مرہم کا تلاشی کہ نیا درد ملا
مطمئن آج تو عارف ترے انعام سے ہے

### فرقان فیضی (سرلاہی نیپال)
Mob-

مشک و عنبر سے تعلق ہے نہ گلفام سے ہے
تجھ سے نسبت جو ہے وہ تیرے در و بام سے ہے

اس کو معلوم نہیں اِس کی اذیت شاید
بڑا غافل وہ ابھی عشق کے انجام سے ہے

ہونے والی ہے سحر اب تو ذرا آجائیں
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

جس کی فرقت میں تڑپتا ہوں یہاں صبح و مسا
میں یہ سنتا ہوں کہ وہ تو بڑے آرام سے ہے

میں کسی اور کا محتاج نہیں ہوں فیضیؔ
مرتبہ مجھ کو جو حاصل ہے مرے کام سے ہے

### بشیر احمد بشیرؔ (کشتواڑ کشمیر)
Mob-7006606571

دردِ فرقت تو عیاں آج در و بام سے ہے
"انتظار آپ کی آمد کا سرِ شام سے ہے"

سب کو لگتا ہے کہ اب خوب جمے گی محفل
کیف و مستی جو عیاں ساقیٔ گلفام سے ہے

اچھے دن آئیں گے کہنے لگے یہ اہلِ ستم
ان کی نیت کا ثبوت ان کے برے کام سے ہے

ہے وہ رسوائے جہاں اپنے ہی کرتوتوں سے
یہ نتیجہ جو ہوا رہبرِ بدنام سے ہے

کیا حقیقت ہے کسی کی کہو سچ اس میں بشیرؔ
یوں بھی ظاہر یہ حقیقت ہوئی انجام سے ہے

### یوسف ندیم (پونے مہاراشٹر)
Mob-9970198743

# ادب پیما
## (ادبی، تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں)

## دبستان برار کا بڑا ادبی نقصان
### شیگاؤں کے استاد شاعر عزیز خاں عزیز نہیں رہے

کھام گاؤں (واثق نوید) شیگاؤں کی معروف ادبی شخصیت اور استاد شاعر الحاج عزیز خاں عزیز شیگانوی طویل علالت کے بعد ۱۳ اپریل ۲۰۲۲ کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کے انتقال سے دبستانِ برار کے سماجی و ادبی حلقوں میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ عزیز خاں عزیز درس و تدریس کے پیشے سے وابستہ تھے۔ شہر شیگاؤں کے نگر پریشد پرائمری اسکول میں نہایت ہی ایمانداری اور دیانت داری سے درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ سبکدوش مدرس اور استاد شاعر عزیز خاں عزیز کی شخصیت کئی اعتبار سے قابلِ ذکر ہے۔ مرحوم ملنساری، اخوت، فرض شناسی، صاف گوئی، حساس طبیعت، ہمدردی، حوصلہ افزائی کے سراپا مینار تھے۔ اپنے سینے میں دردمند دل رکھتے تھے۔ ان کی شاعری پیغامِ عمل کی شاعری ہے جس میں وہ جابجا نوجوانوں کو مخاطب کرتے نظر آتے ہیں۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند اور خدا ترس انسان تھے۔ ہر دل عزیز شاعر نے تقریباً پانچ دہائیوں تک شعر و ادب کی آبیاری کی ہیں۔ عزیز خاں عزیز کے تلمذ میں سلیم الدین عامر، انیس شوق اور متین غالب کے علاوہ کئی شعراء شامل ہیں جو ادب میں اپنا ایک مقام بنائے ہوئے ہیں۔

مرحوم کی تین تصانیف ''لفظوں کی مالا'' (گیت اور نظمیں) ''دھواں دھواں بدن'' (غزلوں کا مجموعہ) اور ''عکسِ حیات'' (غزلوں کا مجموعہ) شائع ہو چکے ہیں۔ جناب عزیز کا سانحۂ ارتحال دبستان برار کے ادب کا بڑا نقصان ہے۔ بعد نماز تراویح بڑا قبرستان شیگاؤں میں تدفین عمل میں آئی۔ مرحوم کے پس ماندگان میں ان کی اہلیہ، دو بیٹیاں اور دو بیٹے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

## معروف ادیب و افسانہ نگار قاضی مشتاق احمد صاحب کی پذیرائی

افسانہ نگار اور ڈراما نگار کی حیثیت سے قاضی مشتاق احمد صاحب اردو دنیا میں اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ اب تک ان کی متعدد کتابیں منظرِ عام پر آ کر اہلِ ادب سے پذیرائی حاصل کر چکی ہیں۔ سال ۲۰۲۰ء میں شائع شدہ ان کی تصنیف علامہ اقبال اور دیگر ڈراموں پر اتر پردیش اردو اکاڈمی نے انہیں دس ہزار روپیوں کا نقد انعام اور سندِ تصنیف عطا کر کے سرفراز کیا ہے۔

اس پذیرائی پر اراکین ''ادبی محاذ'' قاضی مشتاق احمد صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔

## پروفیسر کرامت علی کرامت کا سانحۂ ارتحال

ادبی حلقوں میں یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اڈیشا کی معروف ہمہ جہت شخصیت پروفیسر کرامت علی کرامت گزشتہ ۵ راگست ۲۰۲۲ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ وہ مغرب کی نماز کی نیت باندھتے وقت اچانک گر پڑے اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

موصوف ۲۳ رستمبر ۱۹۳۶ء کو کٹک میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد مرحوم رحمت علی رحمت اپنے وقت کے ایک معتبر شاعر تھے۔ اس طرح کرامت صاحب کو شاعری ورثے میں ملی تھی۔ اس کے علاوہ نقد و تحقیق اور ترجمہ نگاری میں بھی انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شعر و ادب، نقد و تحقیق اور ترجمہ نگاری پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ترجمہ نگاری کے لیے انھیں ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ سے بھی نوازا جا چکا ہے۔ خود ان کے فکر و فن پر ایک کتاب ''اردو ادب کا کوہِ نور: کرامت علی کرامت'' کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اڈیشا میں اردو کی آبرو تھے۔ ان کی وفات سے اردو ادب میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جسے آسانی سے پُر نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور دعا ہے کہ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

## کرنول میں نعتیہ و منقبتی کل ہند طرحی مشاعرہ

یکم اگست ۲۰۲۲ء کو عرس حضرت سید شاہ طاہر حسینیؒ کے مقدس موقع پر ایک کل ہند طرحی نعتیہ و منقبتی مشاعرے کا انعقاد ہوا جس میں سید خادم رسول عینی کے دوسرے مجموعۂ کلام ''نورِ مناقب'' کی رسمِ اجرا عمل میں آئی۔ اس مشاعرے میں ملک کے نامور علما و شعرا شریک تھے۔ رسمِ اجرا رفیع المشائخ حضرت علامہ سید رفیع الدین شرفی صاحب اور خانقاہِ طاہرہ کے سجادہ نشین حضرت علامہ سید محمد حسینی پیر صاحب کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی۔

اس کتاب میں حمد و نعت کے علاوہ امہات المومنین، اہلِ بیت اطہار، خلفائے راشدین، صحابۂ کرام اور اولیائے عظام کی شان میں سید خادم رسول عینی صاحب کی منقبتیں شامل ہیں۔ (بقیہ صفحہ 68 پر) ☆☆☆